بے تاج بادشاہ
اشتیاق احمد

پھول سے پیارے بچو!

"بے تاج بادشاہ" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کو یقیناً اس کا انتظار رہا ہوگا۔ یہ کہانی اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے کہ واقعات پے در پے پیش آتے ہیں اور پڑھنے والے کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملتا۔ آخری صفحات پر آپ مجھے ضرور کاٹ کھانے کو دوڑیں گے، مگر میں آپ سے بہت دور بیٹھا مسکرا رہا ہوں گا۔

میں جانتا ہوں.... جس وقت تک آئندہ ناول "سیاہ گولی" آپ تک نہیں پہنچ جائے گا، آپ کا غصہ رفو چکر نہیں ہوگا۔ لیکن "سیاہ گولی" پڑھ کر آپ ضرور مجھے سچے دل سے معاف کر دیں گے اور مجھے بالکل بے قصور گردانیں گے۔

ایک بار پھر آپ کے خطوط کا ایک ڈھیر سا میرے سامنے ہے اور میں اسے دیکھ دیکھ کر سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں ——— کس خط کا جواب دوں اور کسے گول کر جاؤں ——— اگر کچھ دیر اور سوچتا رہا تو ضرور سر درد کا شکار ہو جاؤں گا اور اس صورت میں اگلا ناول مکمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ یہ سلسلہ روز بروز مقبولیت کی نئی منزلیں طے کر رہا ہے۔ امید ہے آپ سب بخیریت سے ہوں گے۔

اشتیاق احمد

شریف آدمی

ہوٹل تھری سٹار کی اوپر والی منزل سے ایک خوب صورت اور خوش پوش نوجوان نیچے اترنے کے بعد کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا۔ کاؤنٹر پر ایک بہت موٹا آدمی بیٹھا ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو گھور رہا تھا۔ اس نوجوان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں ہوٹل چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ میرا بل بتا دو۔" نوجوان نے قریب آنے کے بعد کہا۔

"اچھا۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور ایک رجسٹر کے ورق الٹنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر بولا:

"ایک ہزار تین سو ستر روپے۔"

"کیا؟" نوجوان حلق پھاڑ کر چلایا۔ پھر آہستہ آواز میں بولا:

"شاید تم نے کسی اور کا بل دیکھ کر بتا دیا ہے۔"

"نہیں..... آپ کا نام سرور بیگ ہے نا؟"

"ہاں، میرا نام یہی ہے۔" سرور بیگ نے کہا۔

"تو پھر آپ کے اتنے ہی پیسے بنتے ہیں۔"

"لیکن..... لیکن...... میں تو ابھی پرسوں یہاں آ کر ٹھہرا تھا۔ میں نے یہاں صرف دو راتیں گزاری ہیں۔ چار مرتبہ کھانا کھایا ہے اور صرف دو مرتبہ ناشتا کیا ہے، کیا تم اس کا بل تیرہ سو ستر روپے بتا رہے ہو؟" سرور بیگ نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں اتنے ہی بنتے ہیں۔ ہوٹل کا کمرہ پانچ سو روپے روز ہے۔ باقی تین سو ستر روپے کھانے اور ناشتے کے بنتے ہیں۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔ کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔"

"آپ شاید یہاں پہلی مرتبہ آئے ہیں۔"

"ہاں، میں شہید گنج میں پہلی مرتبہ آیا ہوں۔ تو پھر...... اس سے کیا۔" سرور بیگ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ذرا ہماری ریٹ لسٹ پر نظر ڈال لیں۔ یہ آپ کا فرض تھا کہ یہاں ٹھہرنے سے پہلے اسے پڑھ لیا ہوتا۔"

"ہوں۔ کیا تم اس ہوٹل کے مالک ہو؟" سرور بیگ نے پوچھا۔

"نہیں، میں تو صرف کاؤنٹر مین ہوں۔ اس ہوٹل کا مالک تو بے تاج بادشاہ ہے۔"

"بے تاج بادشاہ ——— کیا مطلب؟"

"وہ شہید گنج کا بے تاج بادشاہ ہے۔" کاؤنٹر مین نے مسکرا کر کہا۔

"بلاؤ اپنے بے تاج بادشاہ کو، میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بہتر ہوگا کہ اسے نہ بلاؤ اور چپ چاپ بل ادا کر دو، ورنہ پچھتاؤ گے۔"

"بکواس ——— ہوٹل کے مالک کو بلاؤ۔"

"بہت اچھا۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ریسیور میں کچھ کہا۔ جلد ہی ایک دُبلا پتلا آدمی کاؤنٹر کی طرف آتا دکھائی دیا۔

"لو، وہ آ گیا۔" کاؤنٹر مین نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہے وہ بے تاج بادشاہ۔" سرور بیگ نے نفرت سے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں، یہی ہے۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

اتنے میں وہ دُبلا پتلا آدمی آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"یہ صاحب ہمارے بل کو غلط بتا رہے ہیں۔"

"اچھا ——— سنو مسٹر، میرے ہوٹل میں کبھی غلط بل نہیں بنتا جو تمہیں بتایا ہے، ادا کر دو۔"

"اور اگر میں ادا نہ کروں تو؟"

"تب پھر اپنی بے عزتی کے تم خود ذمے دار ہو گے۔"

"بہت اچھا! میں بل ادا نہیں کروں گا، تم جو کر سکتے ہو کر لو۔" سرور بیگ نے جھنجلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جا سکتے ہو۔"

سرور بیگ نے اکڑ کر کاؤنٹر مین کو دیکھا اور وہ دروازے کی طرف

بڑھے۔ فوراً ہی ہال میں سے دو غنڈے اُٹھ کر دروازے کی طرف آئے دونوں لمبے تڑنگے تھے اور ان کے ہاتھوں میں کھلے چاقو چمک رہے تھے۔ وہ لپکتے ہوئے سرور بیگ کی طرف آئے۔

"اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو جو کچھ تمہارے پاس ہے میرے حوالے کر دو۔"

سرور بیگ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ کھلے ہوئے دو چاقو اس کی پسلیوں کو چھو رہے تھے۔ وہ گھبرا گیا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے جیب سے اپنا بٹوہ نکالا اور ان کی طرف بڑھا دیا۔ ان میں سے ایک نے بٹوہ کھول کر دیکھا اور پھر بے تاج بادشاہ کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"عالی جاہ! اس میں پانچ ہزار روپے کے قریب پیسے ہیں۔ اگر اس کی طرف اس سے زیادہ بل ہے تو بتائیں تاکہ ہم اور وصول کریں۔"

"نہیں، یہ رقم بل سے کچھ زیادہ ہے۔ اب اسے جانے دو۔" بے تاج بادشاہ نے کہا۔

"جاؤ مسٹر...... جاکر اپنا کام کرو۔"

سرور بیگ ہکا بکا ہوٹل سے نکل آیا۔ اب اس کا رُخ شہید گنج کے تھانے کی طرف تھا۔ تھانے کا پتا اس نے ایک راہگیر سے پوچھا تھا۔

***

تھانے کی عمارت صرف دو کمروں کی تھی۔ بیرونی دروازے پر ایک کانسٹیبل بندوق لیے کھڑا تھا۔ سرور بیگ اندر داخل ہوا تو اندر والے ایک کمرے میں دس بارہ کانسٹیبل خوش گپیوں میں مصروف نظر آئے۔ دوسرے کمرے میں تھانے دار موجود تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی بڑی پھولی ہوئی مونچھیں تھیں۔ رنگ سرخ اور سفید تھا۔ ہاتھ میں قلم لیے وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

"السلام علیکم۔" سرور بیگ نے کہا۔

تھانیدار چونک اٹھا۔ شاید اسے کسی کے آنے کی بالکل امید نہیں تھی۔ یا پھر شاید شہید گنج میں کوئی تھانے میں آتا ہی نہیں تھا۔ چند لمحے تک وہ سرور بیگ کو گھورتا رہا پھر بولا:

"کون ہیں آپ اور کیا چاہتے ہیں؟"

"شہید گنج میں کیا کوئی قانون نہیں ہے؟"

"کیا مطلب؟" تھانیدار چونکا۔

سرور بیگ نے اُسے ہوٹل تھری سٹار میں ٹھہرنے کا واقعہ سنایا اور پھر جس طرح اس سے بل وصول کیا گیا تھا، وہ بھی بتایا پھر بولا:

"میں رپورٹ درج کرانے آیا ہوں۔"

"اوہ، آپ بے تاج بادشاہ کی بات کر رہے ہیں۔ بہتر ہے اس کے خلاف رپورٹ درج نہ کرائیں۔"

"کیوں؟" سرور بیگ نے حیران ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ شہید گنج میں اُس کی حکومت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے، اُسے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ کوئی افسر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کوئی اس کے خلاف رپورٹ درج کرانے کی جرأت نہیں کرتا۔ ایک بار ایک شخص نے زبردستی رپورٹ درج کرا دی تھی، دوسرے دن اس کی لاش شہید گنج کے جنگل میں پائی گئی۔ یہ جنگل بہت گھنا ہے اور پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے۔ دن میں بھی کوئی شخص جنگل میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتا۔ اس نے خود ہی یہ اطلاع دی تھی کہ جنگل میں ایک لاش پڑی ہوئی دیکھی گئی ہے۔ یہ حالات ہیں۔ اب بتائیے، آپ کیا کہتے ہیں۔"

"آخر یہ بے تاج بادشاہ ہے کیا بلا؟"

"ایک ایسی بلا...... جس سے شہید گنج کا بچہ بچہ کانپتا ہے — بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ رپورٹ درج نہیں کریں گے۔"

"آپ کی بہتری کے لیے نہیں کروں گا، ورنہ آپ کی لاش بھی کہیں پڑی ملے گی۔ آپ پردیسی ہیں، پانچ ہزار روپے کا کیا ہے، ان

پر صبر کریں اور اپنے گھر چلے جائیں۔ یہی آپ کے لیے بہتر ہے۔"

"اچھا، میں شہید گنج سے چلا جاتا ہوں، لیکن سن لو، اپنے شہر جاکر میں اپنے ایک دوست کو شہید گنج بھیجوں گا اور وہ تمہارے بے تاج بادشاہ سے نبرٹ لے گا۔"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ شہید گنج میں آکر کون ہے جو بے تاج بادشاہ سے ٹکرانے کی جرأت کرے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ جس آدمی کا میں ذکر کر رہا ہوں، کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑے بڑے گھبراتے ہیں۔ بڑے بڑے کانپتے ہیں۔"

"اچھا، کیا وہ کوئی بہت بڑا غنڈہ ہے۔" تھانے دار نے مذاق اُڑانے والے لہجے میں کہا۔

"نہیں...... وہ بہت شریف آدمی ہے۔" سرور بیگ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"تب پھر اس کی لاش لے جانے کے لیے تیار رہنا۔ یہاں تو بڑے بڑے غنڈے اس کے آگے پانی بھرتے ہیں۔ شریف آدمیوں کی تو اوقات ہی کیا ہے۔"

"خیر...... دیکھا جائے گا۔ اس دن کا انتظار کرو، جب وہ شریف آدمی یہاں آئے گا۔ اس دن شہید گنج کا نقشہ ہی کچھ اور ہو گا۔ اس دن تم اور تمہارا بے تاج بادشاہ پانی بھرتے نظر آئیں گے۔"

ملاقات

انسپکٹر جمشید اپنے دفتر میں بیٹھے فائلوں میں سر کھپا رہے تھے۔ کمرے کے ایک کونے میں سب انسپکٹر اکرام کچھ لکھنے میں مصروف تھا کہ ایک خوبصورت اور خوش پوش نوجوان بغیر اجازت لیے اندر داخل ہوا۔ پہلے اکرام کی نظر اس پر پڑی اور اس کا منہ بن گیا۔ کیونکہ انسپکٹر جمشید ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے جو اجازت لیے بغیر منہ اٹھائے دفتر میں چلے آتے تھے۔

"جناب، آپ کو اندر آنے سے پہلے اجازت لینی چاہیے تھی۔"

"میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔" نوجوان نے مسکرا کر کہا اور انسپکٹر جمشید اس کی آواز سن کر چونک اُٹھے۔ انہوں نے فوراً سر اُوپر اٹھا کر دیکھا اور پھر اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"سرور ــــ تم ــــ"

"ہاں جمشید ــــ میں، کہو کیا حال ہے؟"

دوسرے ہی لمحے دونوں بغلگیر ہو کر مل رہے تھے اور اکرام انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ آخر جب وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے تو انسپکٹر جمشید نے اکرام کی حیرت دور کی اور بتایا کہ سرور بیگ تو ان کے

بچپن کا دوست ہے جس سے آج مدتوں بعد ملاقات ہوئی ہے۔

چائے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے اچانک سرور بیگ سنجیدہ ہو گیا اور بولا:

"تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں اچانک تم سے ملنے کیوں آ گیا، جب کہ میں ایک دُور دراز شہر میں رہتا ہوں۔"

"اتنی جلدی پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ دن میرے مہمان رہو، میرے ساتھ گھومو پھرو، کھاؤ پیو، پھر پوچھوں گا۔"

"نہیں بھئی، میں بہت مصروف ہوں اور ایک خاص کام کے تحت تم تک پہنچا ہوں۔"

"اچھا چلو۔ پہلے تم اپنا کام بتاؤ۔ تمہیں مہمان رکھنے کا فیصلہ بعد میں کریں گے۔"

"پہلے یہ بتاؤ..... کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کا کیا حال ہے۔ ان کی جاسوسی آج کل کتنے پانی میں ہے اور بھابی کیسی ہیں؟"

"تمہاری بھابی بالکل ٹھیک ہے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی جاسوسی کا کیا پوچھنا ــــ بس پورے جاسوس بن گئے ہیں۔ بعض اوقات تو میرے بھی کان کاٹ جاتے ہیں۔ ویسے جاسوسی کے ساتھ ساتھ اپنی پڑھائی کی طرف بھی پوری توجہ دیتے ہیں اور ہر سال بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوتے ہیں۔ بس ذرا فرزانہ الجبرے میں کمزور ہے۔ وہ بھی اس لیے کہ اسے الجبرے سے چڑ ہے۔"

"بہت خوب۔" سرور بیگ نے مسکرا کر کہا۔ "اب اصل بات سنو۔ میں سیدھا شہید گنج سے آ رہا ہوں۔" وہ مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولا۔

"کیا کہا ــــ شہید گنج ــــ" انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"ہاں، مگر تم چونکے کیوں؟"

"شہید گنج کے متعلق بہت کچھ سننے میں آ چکا ہے ــــ اور میرا جی چاہتا ہے، میں بھی کبھی وہاں جاؤں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا سننے میں آیا ہے۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"یہی کہ بہت پُر فضا جگہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں چاروں طرف سر اٹھائے کھڑی ہیں اور درمیان میں شہید گنج ہے۔ روح پرور نظاروں کے لیے بہت ہی اچھی جگہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

"بس یا کچھ اور بھی معلوم ہے؟" سرور بیگ نے پوچھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم شہید گنج کے متعلق اور بھی بہت کچھ جانتے ہو۔"

"ہاں ــــ کیا تم کچھ نہیں جانتے؟" سرور بیگ نے پھر پوچھا۔

"تو..... کیا تم بے تاج بادشاہ کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے سرور بیگ کو غور سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اوہ ــــ تو تم جانتے ہو۔" سرور بیگ اچھل پڑا۔

"کیا جانتا ہوں ــــ بے تاج بادشاہ کے بارے میں یا..... کسی اور کے بارے میں۔"

"اسی بے تاج بادشاہ کا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ اُڑتی اُڑتی خبریں سننے میں آئی ہیں۔ لیکن میرا چونکہ اس علاقے سے تعلق نہیں، اس لیے وہاں آج تک نہیں گیا۔"

"لیکن اب تمہیں جانا ہی پڑے گا۔" سرور بیگ نے اٹل لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے ــــ خیر تو ہے ــــ کہیں تم بے تاج بادشاہ سے اُلجھ تو نہیں پڑے۔" انسپکٹر جمشید نے فکر مند ہو کر کہا۔

"ہاں، یہی بات ہے۔"

"اوہ، پوری تفصیل بتاؤ۔"

اور سرور بیگ شروع سے ساری بات بتانے لگا۔ بات ختم کرنے کے بعد سرور بیگ خاموش ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر چند لمحوں بعد بولے:

"ہوں، تو یہ ہیں حالات۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ وہاں تمہارے ساتھ یہ سلوک ہوا۔"

"میں اس لیے تمہارے پاس نہیں آیا کہ تمہیں افسوس کرتے دیکھوں۔"

"ہوں، ٹھیک ہے ــــ اچھا بتاؤ، تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، تم ان سے میرا انتقام لو۔ مجھے پیسوں کی اتنی پروا نہیں..... میری تجارت زوروں پر ہے لیکن وہاں جو میری بے عزتی

ہوتا ہے۔ میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں" سرور بیگ بولا۔

"اگر یہ صرف تمہارا معاملہ ہوتا تو شاید میں تم سے یہ کہتا کہ ان لوگوں کو معاف کر دو اور صبر کرو۔ لیکن نہ جانے وہاں ہر روز کتنے لوگوں کو ٹھگا جاتا ہوگا اور پھر وہاں تو جو کچھ ہو رہا ہے، بالکل غیر قانونی ہے — یوں لگتا ہے جیسے قانون بھی بے تاج بادشاہ کے آگے بے بس ہو کر رہ گیا ہے بلکہ اس کے اپنے ہاتھ کا کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔ ان حالات میں مجھے وہاں جانا ہی ہوگا۔ میں بہت جلد وہاں پہنچوں گا۔ تم چاہو تو تم بھی ساتھ چل سکتے ہو"

"نہیں، میں ساتھ نہیں جاؤں گا، کہیں وہ مجھے دیکھ کر ہوشیار نہ ہو جائیں۔ البتہ میں اس وقت وہاں ضرور جاؤں گا جب تم ان سے انتقام لے چکو گے۔ ویسے کیا تم اکیلے جاؤ گے" سرور بیگ نے پوچھا۔

"اور کیا تم چاہتے ہو، میں پوری فوج لے کر جاؤں" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نہیں، میرا مطلب تھا..... کیا بچوں کو ساتھ لے کر نہیں جاؤ گے"

"انہیں تو لے جانا ہی پڑے گا کیونکہ وہ ساتھ جائے بغیر نہیں مانیں گے" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور پھر..... بے تاج بادشاہ کا غرور کیوں نہ ان کے ذریعے توڑا جائے" سرور بیگ نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، تم اطمینان رکھو۔ تمہاری بے عزتی کا بدلہ لیا جائیگا۔

میں دیکھوں گا، وہ کتنا خطرناک ہے"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ان دنوں وہ بہت مصروف تھے۔ ان کے امتحانات ہو رہے تھے۔ امتحانات اگرچہ سالانہ نہیں تھے، صرف نو ماہی تھے۔ پھر بھی وہ پوری توجہ امتحانات پر دے رہے تھے۔ کچھ پرچے ہو چکے تھے اور چند باقی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر روز شام کو کتابیں سنبھال کر نیشنل پارک میں پہنچ جاتے تھے اور پڑھائی میں جٹ جاتے تھے۔ فرزانہ گھر میں پڑھتی تھی۔

آج بھی وہ پتھر کے بنچ پر بیٹھے کتابوں میں گم تھے کہ ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو"

انہوں نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا۔ یہ جملہ ایک آدمی نے جس کے سر کے بال استرے سے صاف کیے گئے تھے، اپنے سامنے کھڑے دوسرے آدمی سے کہا تھا۔ دوسرا آدمی گنجے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی گنجے آدمی کو نہ دیکھا ہو۔ دونوں محمود اور فاروق سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے، اس لیے انہوں نے یہ جملہ صاف سنا تھا۔

"یہ..... یہ.....تم ہو سردار" دوسرے نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ میں ہوں۔ تمہارا دوست سردار۔ کیوں، کیا تم نے

مجھے پہچانا نہیں"

"تم..... مگر..... تمہارے وہ شاندار بال کہاں گئے۔ تم نے استرا کیوں پھروا دیا۔ تمہیں تو اپنے بالوں سے بہت محبت تھی اور انہیں خوب بنا سنوار کر رکھتے تھے"

"استرا میں نے نہیں پھروایا" پہلا بولا۔

"کیا کہا..... تم نے نہیں پھروایا — تو پھر کس نے پھروایا ہے"

"بے تاج بادشاہ نے" پہلے نے ایک دم کہا۔

"بے تاج بادشاہ نے — کیا مطلب..... کہیں تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا"

"ایسی کوئی بات نہیں..... یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ چند دن پہلے میں شہید گنج گیا تھا" گنجا بولا۔

"ہاں، اس دن کے بعد آج ہی تو نظر آئے ہو" دوسرے نے کہا۔

"وہاں بے تاج بادشاہ کی حکومت ہے۔ پولیس بھی اس کے آگے پانی بھرتی ہے — وہاں صرف اس کا حکم چلتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ میری جو شامت آئی، اس کے ہوٹل میں ٹھہر گیا، یہ جانے بغیر کہ ہوٹل کے کمرے کا کرایہ کتنا ہو سکتا ہے — بس تین دن ٹھہرا ہوں گا، جب چلنے لگا تو ایک لمبا چوڑا بل بن چکا تھا جو میں ادا نہ کر سکا اور اس نے میری ٹنڈ کرا دی"

"اوہ، تم نے پولیس سٹیشن میں رپورٹ نہیں کی"

"انہوں نے رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا"

"کمال ہے — آخر یہ شہید گنج میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا وہ علاقہ ہماری حکومت میں..... ہمارے ملک میں شامل نہیں"

"شامل ہے — ہے کیوں نہیں، اس کے باوجود وہاں یہ سب کچھ ہو رہا ہے"

"کمال ہے"

دونوں آدمی باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ محمود کے منہ سے نکلا۔

"فاروق، یہ ہم نے کیا سنا ہے"

"جب سن ہی چکے ہو تو مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو" فاروق برا سا منہ بنا کر بولا۔

"میرا مطلب ہے، یہ شہید گنج میں آخر کیا ہو رہا ہے اور یہ بے تاج بادشاہ کون ہے۔ کیا اسے پوچھنے والا کوئی نہیں" محمود حیران تھا۔

"ہوا نہ ہو، ہمیں کیا — ہم کیوں سر درد مول لیں — اپنی کتاب پر نظریں جما دو اور ہونٹوں کو سی لو۔ ہمیں ابھی بہت سا کام کرنا ہے"

فاروق اس موضوع کو ٹال دینے پر تلا ہوا تھا۔

"اب میرے پاس سوئی دھاگا تو ہے نہیں — کہ ہونٹوں کو سی لوں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ابھی ہمیں بہت کام کرنا ہے لیکن ذہن کا کیا کیا جائے جو بار بار بے تاج بادشاہ کی طرف جا رہا ہے"

"تو کیا تم اسے تاج پہنانا چاہتے ہو" فاروق جل کر بولا۔

"ہاں، اس میں ناراض ہونے کی کون سی بات ہے۔ معاملہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا، سو ذکر چھیڑ بیٹھا۔ اگر تم نہیں چاہتے تو میں فرزانہ سے مشورہ کر لوں گا۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مشورہ ـــــ کیا مطلب؟" فاروق زور سے چونکا۔

"یہ کہ کیوں نہ شہید گنج چلنے کا پروگرام بنایا جائے۔ پرفضا جگہ ہے۔ امتحانات کے بعد یوں بھی ہم فارغ ہوں گے، ابا جان بھی کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"

"لیکن، ہمیں تنہا نہیں جانے دیں گے۔"

"تو امی جان کو ساتھ لے چلیں گے، یا پھر ابا جان بھی چلے چلیں گے۔"

"یہ پروگرام تم نے ان دونوں کی باتیں سن کر بنایا ہے یا پہلے ہی تمہارے ذہن میں تھا۔"

"نہیں.... ابھی ابھی خیال آیا ہے۔" محمود مسکرایا۔

"گویا تم بے تاج بادشاہ کو نزدیک سے دیکھنا چاہتے ہو۔" فاروق نے کہا۔

"یہی سمجھ لو، تم دیکھ لینا، فرزانہ اس پروگرام کو سن کر ہی پھڑک اٹھے گی۔"

"اچھا دیکھ لوں گا۔" فاروق نے معصومانہ انداز میں کہا۔

"مذاق نہیں، کام کی بات کرو۔" محمود بولا۔

"کام کی بات تو اب فرزانہ کی موجودگی ہی میں ہوگی۔" فاروق نے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو پھر چلو ـــــ یہاں اب اور کام نہیں ہوگا۔"

"ہاں ـــــ وقت بھی بہت ہو چکا ہے اور ابا جان گھر پہنچنے والے ہوں گے۔"

وہ گھر پہنچے تو انسپکٹر جمشید فرزانہ سے باتیں کر رہے تھے اور بیگم جمشید باورچی خانے میں تھیں۔

"میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔ میں ایک دو دن تک لوٹ آؤں گا۔" وہ کہہ رہے تھے۔

"لیکن ابا جان، ہم تینوں بھی تو اگلے دو دن میں فارغ ہونے والے ہیں۔ آپ ہمیں بھی کیوں ساتھ نہیں لے جاتے۔"

"تم لوگ وہاں جا کر کیا کرو گے۔ میں تو ایک بہت ضروری کام کی وجہ سے جا رہا ہوں۔"

"آپ اپنا ضروری کام کرتے رہیے گا اور ہم وہاں کی سیر کریں گے۔ سنا ہے بہت خوب صورت وادی ہے۔"

"یہ کہاں جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔" محمود نے دور سے ہانک لگائی۔

"بھیجے آ گئے ـــــ وقت ضائع کر کے۔" فرزانہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

"وقت ضائع کر کے نہیں، پڑھ کر آئے ہیں۔"

"ویسے ابا جان، آپ کہاں جا رہے ہیں؟" فاروق نے پوچھا۔

"بیٹے، میں ایک ضروری کام سے شہید گنج جا رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

"کیا؟"

دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

شہید گنج میں

"کیا بات ہے، تم شہید گنج کا نام سن کر چونکے کیوں؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"شاید یہ دونوں رات بھر خواب میں شہید گنج کی سیر کرتے رہے ہیں۔" فرزانہ نے شریر لہجے میں کہا۔

"دو آدمی بیک وقت ایک ہی خواب کیسے دیکھ سکتے ہیں۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"تو کیا نہیں دیکھ سکتے۔" فرزانہ نے بھی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"میرا تو خیال ہے، نہیں دیکھ سکتے۔ کیوں ابا جان، آپ کا کیا خیال ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"تمہارا ہی خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ ویسے بالکل صحیح بات تو کوئی ماہر خواب ہی بتا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"ہم دور نکل گئے۔" محمود نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ فاروق بول اٹھا۔

"نہیں تو ـــــ یہیں تو بیٹھے ہیں۔"

"اچھا ـــــ بس ـــــ اب مذاق نہ کرنا ـــــ میں بہت سنجیدہ ہوں۔"

محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"سوری ـــــ مجھے نہیں معلوم تھا۔" فاروق مسمسی صورت بنا کر بولا۔

"ہاں تو ابا جان، کیا یہ بالکل سچ ہے کہ آپ شہید گنج جا رہے ہیں"

"ہاں بھئی، وہاں مجھے ایک ضروری کام ہے۔"

"تو پھر ہم دونوں کی بھی یہی درخواست ہے کہ آپ ہمیں بھی وہاں لے چلیں۔"

"کیا بات ہے ـــ خیر تو ہے ـــــ تم نے بتایا نہیں کہ تم شہید گنج کا نام سن کر چونکے کیوں تھے؟"

"جی بات دراصل یہ ہے کہ شہید گنج کے بارے میں ہم نے کچھ عجیب و غریب باتیں سنی ہیں۔"

"اوہ ـــــ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہید گنج کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔ پھر کہا:

"اچھا ذرا بتاؤ تو سہی۔ تم نے کیا سنا ہے؟"

اس پر دونوں نے پارک میں جو کچھ سنا تھا، کہہ سنایا۔ انسپکٹر جمشید ذرا بھی حیران نہ ہوئے تو محمود اور فاروق کو پریشانی ہوئی۔ محمود نے پوچھا:

"کیا بات ہے ابا جان ـــــ آپ کو تعجب نہیں ہوا۔"

"پہلے ہی ہو چکا ہے۔ میرا ایک دوست بھی اسی قسم کے حالات کا شکار ہو چکا ہے اور میں اس کی خاطر وہاں جانے کا پروگرام بنا چکا ہوں۔"

"تو پھر ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔"

"اچھا بھئی ـــ تم جیتے، میں ہارا ـــ اب تم ذرا اپنی امی سے پوچھ لو، کیا ان کا بھی ارادہ ہے جانے کا۔"

"اور کیا میں یہاں تنہا رہوں گی۔"

بیگم جمشید نے باورچی خانے سے صحن میں آتے ہوئے کہا۔ ان کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔ چاروں ان کا جملہ سن کر بے ساختہ مسکرا اٹھے۔

"ابا جان، آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کے دوست کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ کیا انہیں بھی گنجا کیا گیا ہے؟"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ گنجا تو وہ ان لوگوں کو کرتے ہیں جن کی جیبوں میں پیسے نہیں ہوتے۔ جن کے پاس پیسے ہوں، ان سے تو وہ ہر حال میں پیسے وصول کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے سرور بیگ کے ساتھ جو بیتی تھی، انہیں سنا دی۔ ان کے منہ حیرت کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے اور شہید گنج جانے کا شوق کئی گنا زیادہ ہو گیا۔

* * * * *

تیسرے دن وہ شہید گنج کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ شام کے سات بجے وہ شہید گنج کے سٹیشن پر اترے۔ فوراً ہی انہیں ایک ٹیکسی مل

گئی۔ انہوں نے اپنا سامان ٹیکسی پر رکھا اور اس میں بیٹھ گئے۔

"تھری سٹار ہوٹل۔" انسپکٹر جمشید نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"جی۔" وہ چونکا۔ پھر بولا: "کیا آپ پہلی مرتبہ شہید گنج آئے ہیں؟"

"ہاں ـــ کیوں کیا بات ہے؟"

"تب تو بہتر ہے کہ آپ تھری سٹار میں نہ ٹھہریں۔" اس نے کہا اور انہیں آئینے میں دیکھنے لگا۔

"کیوں، کیا بات ہے؟"

"وہ جگہ اچھی نہیں ہے۔ وہاں لوگوں کی خوب کھال اتاری جاتی ہے۔" اس نے بتایا۔

"پروا نہیں ـــــ تم چلو۔"

"اچھا ـــــ آپ کی مرضی۔" ڈرائیور نے کندھے اچکائے اور گاڑی چلا دی۔

دس منٹ بعد وہ تھری سٹار کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ ہوٹل کے دو بیروں نے لپک کر ان کا سامان اٹھایا۔ اتنے میں وہ بھی باہر نکل چکے تھے۔ ہوٹل کی عمارت بہت شاندار تھی۔ رنگ برنگے بلب جل اور بجھ رہے تھے۔ ٹیوب لائٹیں دودھیا روشنی پھیلا رہی تھیں۔

"دیکھنے میں تو ہوٹل بہت اچھا ہے۔" بیگم جمشید بڑبڑائیں۔

"لیکن سننے میں بہت برا ہے۔" فاروق نے کہا اور سب مسکرانے لگے۔

ٹیکسی کا بل چکا کر وہ ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ کاؤنٹر پر انہیں ایک بہت موٹا تازہ آدمی بیٹھا نظر آیا۔ انہیں ایک کونے میں کھڑا کر کے وہ کاؤنٹر پر پہنچے۔

"یہاں کوئی کمرہ مل جائے گا؟"

"سنگل یا ڈبل؟" اس نے بھدی آواز میں پوچھا۔

"کئی افراد ہیں، اس لیے ڈبل میں ہی گزارا ہو سکے گا۔"

"مل جائے گا۔ یہ فارم پُر کر دیں۔" اس نے ایک مختصر سا کاغذ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

انہوں نے فارم لیا اور اس پر فرضی نام اور پتا لکھ دیا۔ شرائط پڑھنے کی انہوں نے ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ وہ جانتے تھے، اس ہوٹل میں رقم پیشگی نہیں لی جاتی ـــــ جب آدمی جانے لگتا ہے تو بل اس کے سامنے رکھا جاتا ہے۔

"بہت خوب، تو آپ کا نام رحمت علی ہے۔ آپ کا کمرہ نمبر ایک سو بارہ ہے۔ اے بیرا ...... انہیں کمرہ نمبر ایک سو بارہ دکھاؤ اور سامان اوپر پہنچاؤ۔"

"یس سر۔" بیرا تیزی سے آگے آیا۔

کمرہ نمبر ایک سو بارہ دوسری منزل پر تھا۔ کافی بڑا اور بہترین سازو سامان سے سجا ہوا تھا۔ کھڑکیاں سڑک کی طرف کھلتی تھیں۔ یہ دیکھ کر محمود، فاروق اور فرزانہ بہت خوش ہوئے، کیونکہ کھڑکیوں کے ذریعے وہ

باہر کا نظارہ بھی کر سکتے تھے اور ان سے کئی دوسرے کام بھی لیے جا سکتے تھے۔

"لو بچو، ہم آج صرف آرام کریں گے، کیونکہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ کھانا بھی یہیں منگوا لیتے ہیں۔ کل باہر نکل کر بے تاج بادشاہ کا دیدار کریں گے۔"

"ابا جان، اس کمرے کا کرایہ کیا ہے؟"

"بیٹا، میں نے پوچھا نہیں، پوچھنے کی ضرورت بھی کیا ہے ——— اور ہاں…… غور سے سنو، یہاں میرا نام رحمت علی ہے، البتہ تم تینوں کے نام محمود، فاروق اور فرزانہ ہی رہیں گے۔"

"جی!" تینوں نے چونک کر کہا۔ وہ ان کا نام رحمت علی سن کر حیران رہ گئے تھے۔

شام کا کھانا بھی بہت مزے دار تھا، انہوں نے قورمہ اور بریانی کا آرڈر دیا تھا جو نہایت خوبصورت برتنوں میں لایا گیا۔

"اس میں شک نہیں کہ ہوٹل بہت شاندار ہے۔ اس کی ہر چیز خوب صورت ہے۔ کھانے بھی مزے دار ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بس ذرا بل ہی کڑوا کسیلا ہوتا ہے۔" فاروق بولا۔

"ہاں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید یہاں کمرہ خالی نہ ملتا۔ سب کمرے پُر ہوتے۔"

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی آخر یہ لوگ اس قدر لمبے چوڑے بل

کیوں وصول کرتے ہیں اور ان کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کی جاتی؟" محمود بولا۔

"یہی تو معلوم کرنے کے لیے ہم آئے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"آہستہ فرزانہ ——— دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" فاروق نے گویا اسے یاد دلایا۔

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گئی کہ یہ ہماری باتیں سنتی ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

شام کے کھانے کے بعد وہ کچھ دیر تک بے پَر کی اڑاتے رہے یہاں تک کہ انہیں نیند نے آ لیا۔

دوسرے دن موسم بے حد خوشگوار تھا۔ پہاڑیاں کالی گھٹاؤں میں گھری ہوئی تھیں اور یوں لگتا تھا، بارش اب ہوئی کہ اب ہوئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ان کے جسموں سے ٹکرائیں تو انہیں ٹھنڈک کا احساس ہوا اور انہوں نے جھٹ اپنے سویٹر نکال کر پہن لیے۔

"اب ہم ناشتے کے لیے نیچے چلیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے، شاید وہاں بے تاج بادشاہ کو دیکھ سکیں۔" محمود بولا۔

"میرے شوق میں تو ہر لمحے اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ میں جلد از جلد اس سے مل لینا چاہتا ہوں۔" فاروق نے بے چینی کا اظہار کرنے کے لیے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اس سے بہت جلد ملاقات ہوگی اور پھر تو ملاقاتیں

ہوتی ہی رہیں گی۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"فکر تو خیر میں پہلے ہی نہیں کر رہا! البتہ فرزانہ ضرور فکر کر کر کے دبلی ہو رہی ہے۔"

"کمال ہے، میں کیوں دبلی ہوتی، کیا مجھے شہر کا اندیشہ ہے۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔ اس کی کھری بات پر سب مسکرائے بغیر نہ رہ سکے اور اس مسکراہٹ کو چہروں پر سجائے وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے ہال میں پہنچ گئے۔ ہال میں بہت رونق تھی۔ ہر طرف کرسیوں پر لوگ بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی نظر آئیں۔

ایک کونے میں انہیں ایک میز بالکل خالی نظر آئی۔ وہ اس پر جا بیٹھے انسپکٹر جمشید حیران تھے کہ اس قدر مہنگا ہونے کے باوجود اور بدنام جگہ ہوتے ہوئے بھی اتنے لوگ ناشتا کر رہے تھے۔ پھر ان کی سمجھ میں اس کی وجہ بھی آ گئی۔ شہید گنج دراصل ایک پُرفضا تفریحی مقام ہے، یہاں عام طور پر لوگ دوسرے شہروں سے سیر کے لیے آتے تھے۔ پہلی بار آنے والے کیا جانیں کہ ہوٹل ستھری اسٹار دراصل کھال اتارنے کا ایک خاص مقام ہے۔ جہاں کھال اتروا کر لوگ ہوٹل والوں کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہیں کر سکتے۔

وہ میز پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک بیرا تیزی سے ان کی طرف آیا۔

"جی فرمایئے۔"

"ناشتا ——— جو جو کچھ تیار ہے لے آؤ۔"

"جی اچھا۔" اس نے جھک کر کہا اور چلا گیا۔

"ابا جان، یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اتنی فراخ دلی سے آرڈر دے دیا، بل کہاں سے ادا کریں گے؟" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"بل ادا کرنے کی نیت ہوتی تو اس ہوٹل میں ہرگز نہ ٹھہرتا۔" انسپکٹر جمشید نے معنی خیز انداز میں کہا۔

دس منٹ بعد ناشتا ان کی میز پر لگایا جا چکا تھا۔ ناشتے میں انڈوں کا آملیٹ، آم کا مربہ، ڈبل روٹی کے سینکے ہوئے ٹکڑے، چٹنی اور نہ جانے کیا کیا الا بلا شامل تھی۔ انہوں نے ایک ساتھ ناشتا شروع کیا۔ اسی وقت باہر بارش شروع ہو گئی اور کچھ لوگ بھاگ بھاگ کر اندر گھس آئے اور خالی میزوں پر جا بیٹھے۔ ان میں سے چند ایک نے ناشتا بھی طلب کر لیا۔

وہ ناشتا کرنے میں پوری طرح مگن تھے کہ ہال میں ایک آدمی زور سے چلایا:

"یہ کیا مذاق ہے!"

ہال میں موجود سب لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

* * * * *

پہلی ٹکر

ایک بیرا تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور نہایت بدتمیزی سے بولا :
"کیا بات ہے جناب، کیوں چلا رہے ہیں ؟"
"میں نے صرف ناشتا کیا ہے اور تم جو بل لائے ہو، وہ ستائیس روپے کا ہے۔ یہ کیا مذاق ہے۔ کہیں یہ بل کسی اور کا تو نہیں ؟"
"نہیں، یہ آپ ہی کا بل ہے۔" بیرے نے جھلا کر کہا۔
"تب پھر میں یہ ادا نہیں کروں گا۔" اس نے بھی تملا کر کہا۔
"بل تو آپ کو ادا کرنا ہی ہو گا۔" بیرا مسکرایا۔
اتنے میں کاؤنٹر پر بیٹھا موٹا آدمی بھی وہاں آ گیا اور بولا :
"دیکھیے جناب ——— آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ چپ چاپ بل ادا کر دیں۔"
"اور اگر میں نہ ادا کروں تو ———"
"ہم وصول کرنا جانتے ہیں۔" موٹے نے کہا۔
"کیا تم اس ہوٹل کے مالک ہو ؟"
"نہیں۔ میں تو صرف کاؤنٹر مین ہوں۔ اس ہوٹل کا مالک بے تاج بادشاہ ہے۔"

"بے تاج بادشاہ ——— یہ کیا بات ہوئی۔" اس آدمی نے حیران ہو کر کہا۔
"اس کا یہی نام ہے۔ یہاں اس کی حکومت ہے۔ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"
"بلاؤ اسے ——— میں دیکھوں گا، وہ کتنا طاقت ور ہے۔" گاہک نے بھی اکڑ کر کہا۔
"بہت اچھا۔ اگر آپ اسے بلانا ہی چاہتے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ کی مرضی۔"
موٹا آدمی یہ کہہ کر واپس کاؤنٹر پر آیا۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر دبایا اور اس میں کچھ کہا پھر ریسیور رکھ دیا۔
جلد ہی ہوٹل کے ایک برآمدے سے ایک دبلا پتلا آدمی آتا نظر آیا۔ قد بھی زیادہ لمبا نہیں تھا۔ چہرے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔
"کون ہے وہ..... جو بل ادا کرنے پر آمادہ نہیں۔" اس نے آہستہ آواز میں کاؤنٹر والے سے پوچھا۔
"جی ——— وہ رہا۔" اس نے گاہک کی طرف اشارہ کیا۔
بے تاج بادشاہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس آدمی کی طرف بڑھنے لگا۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید نے یہ حیران کن منظر دیکھا کہ ہال میں اکثر لوگ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ کانپنے والوں میں کاؤنٹر مین اور بیرے بھی شامل تھے۔

"تو تم ناشتے کا بل ادا نہیں کرو گے ؟"
"جو بل بننا چاہیے، وہ ادا کر دوں گا۔ جو تمہارے ملازموں نے بنا کر بھیجا ہے، وہ تو ہرگز نہیں دوں گا۔"
"اچھی بات ہے ——— ٹائیگر..... اس کی مرمت کرو۔" اس نے کسی طرف دیکھے بغیر نہ جانے کسے حکم دیا۔
اچانک ہال کے ایک کونے میں سے ایک آدمی اٹھا۔ اس نے سیاہ چمڑے کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ شکل وصورت سے بدمعاش "بہت خوفناک دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس آدمی کی طرف بڑھا جس نے بل ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔
"ٹھہرو۔" گاہک نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"بس..... ڈر گئے۔ ابھی تو تم نے میری شکل ہی دیکھی ہے، کام کہاں دیکھا ہے۔" ٹائیگر زور سے ہنسا۔ اس وقت تک بے تاج بادشاہ کاؤنٹر پر جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور اس طرف اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی تماشا دیکھ رہا ہو۔
"نہیں ——— میں ڈرا نہیں۔ یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں کہیں تم بعد میں یہ نہ کہو کہ بے خبری میں مارے گئے۔" گاہک بولا۔
"کیا مطلب ——— یہ کیا بکواس ہے ؟"
"سنو، کیا تم نے کبھی اکبر ناگی کا نام سنا ہے ؟"
"نام تو سنا ہوا لگتا ہے۔" ٹائیگر نے سوچنے کے انداز میں پلکیں

"میں اس ملک کا مشہور باکسر ہوں۔ اس وقت تک باکسنگ کے پندرہ مقابلے جیت چکا ہوں۔" اس نے بلند آواز میں کہا اور ہال میں موجود سب لوگ چونک اٹھے۔ اب معاملہ بہت دلچسپ ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کے مقابلے میں کوئی معمولی آدمی نہیں تھا لیکن بے تاج بادشاہ اب بھی لاپروائی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"تم محمد علی کلے تو نہیں ہو نا ——— آؤ ——— میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" ٹائیگر نے گرجدار آواز میں کہا۔
"بہت اچھا جیسے تمہاری مرضی ——— میرے کوٹ کی دائیں جیب میں پیسے موجود ہیں، اگر تم نے مجھے مار گرایا تو اپنا بل اس میں سے نکال لینا ؛ ورنہ میں ایک پیسہ دیے بغیر یہاں سے جاؤں گا۔"
"ٹھیک ہے۔"
دونوں ہال کے درمیان میں آ گئے۔ یہاں کرسیاں نہیں تھیں ——— لوگوں نے ناشتے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ چلتے منہ رک گئے۔ پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ ہال میں صرف دو آدمی ایسے تھے جو اس مقابلے کو بڑی لاپروائی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک تو تھا بے تاج بادشاہ اور دوسرے انسپکٹر جمشید تھے۔ باقی سب لوگ پوری طرح اس مقابلے کو دیکھ رہے تھے۔
اچانک ٹائیگر نے اکبر ناگی پر چھلانگ لگا دی

* * * * *

حملہ بہت خوفناک تھا۔ ٹائیگر نے اکبر ناگی کا گلا دبوچنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اکبر ناگی بھی آخر باکسر تھا۔ اس سے پہلے کہ ٹائیگر کے ہاتھ اس کے گلے تک پہنچتے، اس کا الٹے ہاتھ کا مکا ٹائیگر کے جبڑے کی خبر لے چکا تھا۔ ٹائیگر کے قدم اکھڑ گئے مگر وہ فوراً ہی سنبھل گیا اور پوری قوت سے ایک مکا اکبر ناگی کے پیٹ میں مارا۔ مکا لگا ضرور، اکبر ناگی چند قدم پیچھے بھی ہٹا لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر ٹائیگر نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ پہلے اس نے اکبر ناگی کی ناک پر سر سے ٹکر مارنے کی کوشش کی جو اس کی ٹھوڑی پر لگی۔ پھر پیٹ پر لات ماری جو اس کی ٹانگوں پر لگی۔ ساتھ ہی اکبر ناگی کا ایک مکا اس کی کھوپڑی سے ٹکرایا۔ ہال میں ایسی آواز گونج اٹھی جیسے ناریل کو سخت چیز پر مار کر توڑا گیا ہے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بے تاج بادشاہ کا غنڈہ فرش پر بے ہوش پڑا ہے اور اکبر ناگی دونوں ہاتھ اس طرح جھاڑ رہا ہے جیسے مٹی لگ گئی ہو۔

سب کی نظریں اس کے ساتھ ہی بے تاج بادشاہ کی طرف اٹھ گئیں۔ شاید لوگ سوچ رہے تھے کہ اب وہ کیا کرے گا کیونکہ آج تک تو وہ ٹائیگر سے یا ایک دو اور آدمیوں سے ہی کام لیتا رہا تھا اور کوئی اس کے ان آدمیوں کے سامنے نہیں ٹک سکا تھا۔ اس ہوٹل میں آج پہلی بار اس کے آدمی کی پٹائی ہوئی تھی۔

لوگوں نے دیکھا، بے تاج بادشاہ مسکرا رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"مسٹر اکبر ناگی ...... تمہارے مقابلے پر بھیجنے کے لیے میرے پاس فوج کی فوج موجود ہے۔ ایک ٹائیگر گر گیا تو کیا ہوا۔ یہاں تو نہ جانے کتنے شیر، چیتے اور گینڈے موجود ہیں۔"

"اف اللہ، کیا ہم کسی جنگل میں بیٹھے ہیں۔" فاروق نے گھبرا کر بلند آواز میں کہا۔ آواز صرف ہال میں موجود قریبی لوگوں نے سنی تھی وہ بے تاج بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی، مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی! البتہ فاروق کو گھور کر ضرور دیکھا۔ پھر وہ چلایا:

"شکرے، جبرے، تارپیڈو۔ آؤ اور اس باکسر کے بچے کو اٹھا کر باہر پھینک دو، لیکن باہر پھینکنے سے پہلے اس کی جیب سے ستائیس روپے ضرور نکال لینا۔"

ہال کے اس کونے سے جہاں سے کچھ دیر پہلے ٹائیگر اٹھا تھا، تین لمبے تڑنگے بدمعاش دانت نکالتے ہوئے اٹھے اور اکبر ناگی کی طرف بڑھنے لگے۔

"ابا جان، اب کیا ہوگا۔ یہ تو اسے مار ڈالنے پر تل گئے ہیں۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اگر ایسا وقت آیا تو جو تمہارے جی میں آئے وہ کرنا۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا اور وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب ـــ بھلا ہم پتلے دبلے بچے ان لفنگوں کے مقابلے

خطرہ بڑھتا ہے

اکبر ناگی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن کب تک ...... وہ اکیلا تھا اور مقابلے میں تین تھے اور یہ تینوں بھی کوئی معمولی آدمی نہ تھے، بے تاج بادشاہ کے غنڈے تھے۔ آخر اس کے قدم ڈگمگا گئے۔ ہاتھ سست پڑ گئے۔ اس نے اپنی شکست کو محسوس کر لیا لیکن ہار پھر بھی نہیں مانی۔ اب ان تینوں کے اور لاتیں اس کے جسم پر پڑ رہی تھیں۔

"ابا جان، آخر آپ کب دخل دیں گے، جب اس کی جان نکل جائے گی۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"بیٹی، یہ باکسر ہے اور باکسر بہت سخت جان ہوتے ہیں۔"

"پھر بھی ...... اب تو وہ گرنے ہی والا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر تمہیں اس سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ٹھہرو۔" وہ گرج دار آواز میں بولے۔

سب لوگ چونک اٹھے۔ شکرے، جبرے اور تارپیڈو کے اٹھتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ اکبر ناگی نے بھی اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھوں سے انہیں حیران ہو کر دیکھا۔

میں کیا کر سکیں گے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہونہہ ...... میں جانتا ہوں۔ تم گھر سے پوری طرح تیار ہو کر آئے ہو۔ تم تینوں کی جیبوں میں ننھے منے کھلونے ہیں ـــ کھلونے جو تمہیں پروفیسر داؤد نے دے رکھے ہیں اور جو پستولوں اور بندوقوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔"

"اوہ! تو آپ جانتے ہیں۔"

"ہاں۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن ابا جان ـــ اس موقعے پر انہیں استعمال کرنا کسی طرح بھی مناسب نہ ہوگا۔ وہ تو خاص موقع پر نکالنے چاہییں۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں، یہ بات بھی ٹھیک ہے ـــ خیر تم فکر نہ کرو۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو میں دخل دے بیٹھوں گا۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

اسی وقت تینوں بدمعاش اکبر ناگی پر حملہ آور ہوئے۔

✳ ✳ ✳ ✳ ✳

"کیا بات ہے، کون ہو تم ؟" بے تاج بادشاہ نے بیٹھے بیٹھے کہا۔

"خدائی فوج دار ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب ؟" بے تاج بادشاہ جھنجلا اُٹھا۔

"مطلب یہ کہ تم اس سے ستائیس روپے تو حاصل کر سکتے ہو، اسے جان سے نہیں مار سکتے ۔"

"کیا بکتے ہو، تم ہوش میں تو ہو ۔" بے تاج بادشاہ چلایا۔

"اللہ کا شکر ہے، میں بالکل ہوش میں ہوں ۔"

"تب پھر تم ضرور یہاں نئے آئے ہو ۔"

"یہ ابھی کل ہی یہاں آئے ہیں۔ کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔"

"اوہ ــــ اچھا ــــ یہی وجہ ہے کہ بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہا ہے۔ خاموشی سے بیٹھ جاؤ ؛ ورنہ دن دہاڑے غائب کرا دوں گا ۔"

"اکبر ناگی سے ستائیس روپے لے کر اسے جانے دو، میں بیٹھ جاتا ہوں ۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"اکبر ناگی اتنا سستا نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس نے میرے آدمیوں سے ٹکر لی ہے ۔"

"لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک آدمی سے تین آدمی مقابلہ کر رہے ہیں۔ اگر تم اتنے ہی بہادر ہو تو ایک کا مقابلہ ایک سے کیوں نہیں کرایا۔ تمہارا آدمی گر گیا تو تم نے اس کے مقابلے پر تین کیوں بھیجے ۔"

انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تمہیں اس سے کیا ــــ تم ٹھیکیدار ہو یہاں کے ۔"

"میں جہاں بھی رہتا ہوں، ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتا ۔" انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"تو نہ دیکھو ــــ اپنی آنکھیں بند کر لو ۔" بے تاج بادشاہ نے لاپروائی سے کہا۔

"یہ بھی نہیں ہوگا ۔"

"تو ٹھیک ہے۔ پہلے ہم تم سے سمجھ لیتے ہیں۔ پکڑ لو اسے ۔" بے تاج بادشاہ نے چلا کر کہا۔

"اس صورت میں میں تمہیں ہوٹل کا بل ادا نہیں کروں گا ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

شنکرا، جبرا اور تارپیڈو ان کی طرف مڑے ہی تھے کہ اچانک اکبر ناگی دھڑام سے فرش پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"چلو بس ــــ اب اس کی جیب سے ستائیس روپے نکال کر اسے ہوٹل سے باہر فٹ پاتھ پر ڈال آؤ ۔" بے تاج بادشاہ نے کہا۔

"اور اس کا کیا کریں ۔" شنکرے نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اب تو اکبر ناگی گر ہی چکا ہے۔ ہمارا مقصد حل ہو گیا ہے۔ ہمیں اس سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب یہ بل ادا نہیں کرے گا تو اسے بھی دیکھ لیں گے ۔"

"نہیں دوست...... یوں کام نہیں چلے گا۔ تم اسے باہر نہیں پھنکواؤ گے بلکہ ڈاکٹر کو بلوا کر اس کی مرہم پٹی کراؤ گے ۔"

"بکومت ۔" بے تاج بادشاہ نے سرد آواز میں کہا۔

"تو پھر اسے باہر پھینکنے کی کوشش کر دیکھو ۔" انسپکٹر جمشید نے لاپروائی سے کہا۔

"ضرور ضرور ــــ چلو ــــ اٹھاؤ اسے اور باہر پھینک آؤ ۔" اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

تینوں اکبر ناگی کو اٹھانے کے لیے جھکے۔ فوراً ہی انسپکٹر جمشید چلائے :

"خبردار، حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا ۔"

انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں ایک عدد پستول تھا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی پستول کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ کہاں تو انسپکٹر جمشید ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے اور کہاں انہوں نے اچانک پستول نکال لیا۔

"کیا تمہارے پاس اس کا لائسنس ہے ؟"

"تمہیں اس سے کیا ــــ فوراً ڈاکٹر کو فون کرو ؛ ورنہ میں گولی مار دوں گا ۔"

"جبرو ــــ پولیس کو فون کرو۔ اس شخص نے میرے ہوٹل میں

پستول نکالا ہے۔ میں اسے جیل میں سڑوا دوں گا ۔" بے تاج بادشاہ نے کاؤنٹر مین سے کہا اور اس نے فوراً ہی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیے۔ پھر دوسری طرف کی آواز سن کر اس نے صرف ایک لفظ کہا :

"بے تاج بادشاہ ۔"

"یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور بولا :

"پولیس آ رہی ہے ۔"

"ٹھیک ہے ۔" بے تاج بادشاہ کے منہ سے نکلا۔

"تم پولیس کو فون کر چکے...... اگر ایک منٹ کے اندر اندر تم نے ڈاکٹر کو فون نہ کیا تو میں تمہیں گولی مار دوں گا ۔" انسپکٹر جمشید نے گرج کر کہا۔

کاؤنٹر والا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ ان کا منہ کھول اٹھا، انہوں نے پستول سیدھا کیا اور فائر کر دیا۔ گولی کاؤنٹر مین کے پاس سے گزرتی ہوئی لکڑی کی دیوار میں گھس گئی۔ کاؤنٹر والے کا رنگ فق ہو گیا۔

"میں نے جان بوجھ کر گولی تمہارے کان کے پاس سے گزاری ہے، یہی گولی تمہاری کھوپڑی میں ایک دو سوراخ بھی کر سکتی تھی۔ اب بھی اگر تم نے ڈاکٹر کو فون نہ کیا تو اس مرتبہ نشانہ ٹھیک بیٹھے گا۔ اور تم دوسری دنیا کو سدھار جاؤ گے ۔"

اس مرتبہ اس نے فون کرنے میں دیر نہ لگائی۔ بے تاج بادشاہ

کچھ نہ بولا، صرف انہیں گھورتا رہ گیا۔ پھر پولیس سے پہلے ڈاکٹر وہاں پہنچا۔ انسپکٹر جمشید اسے دیکھتے ہی بولے:

"ڈاکٹر..... اس زخمی کو فوراً دیکھو، اس کی مرہم پٹی کرو۔"

"جی..... جی..... بہت اچھا۔" ڈاکٹر ان کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر گھبرا گیا اور اکبر ناگی پر جھک گیا۔

اسی وقت پولیس کے دس بارہ کانسٹیبل ایک سب انسپکٹر کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ سب انسپکٹر نے پہلے تو بے تاج بادشاہ کو جھک کر سلام کیا پھر بولا:

"کیا حکم ہے سرکار؟"

"کیا تم اندھے ہو۔ دیکھ نہیں رہے، میرے ہوٹل کے ہال میں ایک شخص مجھ پر پستول تانے کھڑا ہے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ یہ ایک فائر بھی کر چکا ہے۔"

"اوہ!" سب انسپکٹر ہکا بکا رہ گیا۔ پھر وہ انسپکٹر جمشید کی طرف مڑا اور ان کی طرف قدم اٹھانے لگا۔

"کون ہو تم اور تمہیں یہاں پستول نکالنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"میرا نام رحمت علی ہے۔ یہ لوگ ایک بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تلے ہوئے تھے۔ اسے بچانے کے لیے مجھے پستول نکالنا پڑا۔"

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا تمہارے پاس اس کا لائسنس ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہونا تو چاہیے۔" انہوں نے کہا اور جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

سب انسپکٹر نے کاغذ دیکھا اور بولا:

"ٹھیک ہے — یہاں جو کچھ ہوا ہے، قانونی طور پر درست ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ مڑا، لیکن مڑتے مڑتے اس نے بے تاج بادشاہ کو آنکھ مار دی۔ انسپکٹر جمشید کی نظروں سے اس کی یہ حرکت چھپی نہ رہ سکی لیکن وہ خاموش رہے۔ انسپکٹر اس کے بعد وہاں نہیں ٹھہرا۔ ڈاکٹر اکبر ناگی کو انجکشن دے چکا تھا اور اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ پھر وہ اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے پستول جیب میں رکھ لیا اور پرسکون انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آخر سب انسپکٹر نے بے تاج بادشاہ کو آنکھ کیوں ماری۔ اس کا ضرور کوئی نہ کوئی مطلب تھا۔ انہوں نے اپنے ارد گرد دیکھا اور انہیں محسوس ہوا، خطرہ چاروں طرف سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

* * *

دشمن کمرے میں

"حالات اچھے نہیں ہیں۔" انہوں نے دبے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" چاروں نے چونک کر ایک ساتھ کہا۔

"سب انسپکٹر جاتے ہوئے بے تاج بادشاہ کو آنکھ سے اشارہ کر گیا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"تو پھر...... اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ قانونی طور پر اس آدمی کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا، تم جو جی چاہے کر لو۔ دوسرے لفظوں میں اس نے بے تاج بادشاہ کو کھلی چھٹی دے دی ہے اور اب یہ بے تاج بادشاہ کی مرضی ہے کہ وہ ہمارے خلاف کیا قدم اٹھاتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر بیٹھے، میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے کمرے میں پناہ لے لیں کیونکہ یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، ہم خطرے میں ہیں۔" فاروق بولا۔

"بالکل — لیکن اپنے کمرے میں ہم ضرور اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔ یہاں تو چاروں طرف سے گھر جائیں گے۔"

"تو پھر فوراً چلیے۔" بیگم جمشید بولیں۔

"ٹھیک ہے — آؤ چلیں۔"

وہ ایک ساتھ اٹھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے زینے کی طرف بڑھنے لگے۔ بے تاج بادشاہ برابر انہیں گھور رہا تھا۔ اچانک وہ مسکرا اٹھا۔ انسپکٹر جمشید اس کی اس مسکراہٹ سے کوئی مطلب نہ نکال سکے لیکن یہ وقت مطلب نکالنے کا نہیں، اپنا بچاؤ کرنے کا تھا۔ آخر وہ زینے تک جا پہنچے اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

زینہ طے کر کے وہ برآمدے میں آ گئے۔ برآمدہ بالکل سنسان پڑا تھا۔ نہ کوئی آتا دکھائی دیا نہ جاتا۔ کمرہ نمبر ایک سو بارہ زینے سے دور نہیں تھا۔ وہ جھپٹ کر دروازے پر آ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے دروازہ کھول ڈالا اور سب اندر گھس گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"ابا جان، بے تاج بادشاہ آپ کو گھورتے گھورتے مسکرایا کیوں تھا؟" فاروق نے پوچھا۔

"بہت خوب، تو تم نے اسے مسکراتے دیکھ لیا تھا۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"جی ہاں، میں نے صاف دیکھا تھا۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"میری اور فرزانہ کی آنکھیں بھی اتنی کمزور نہیں ہیں کہ ہم اسے مسکراتے ہوئے نہ دیکھ سکتے۔" محمود نے جل کر کہا۔

"چلو مان لیا۔ تم نے بھی دیکھ لیا ہوگا۔" فاروق نے بے نیازی سے

کہا، پھر بولے: "ابا جان، آپ نے بتایا نہیں — وہ ایک دم مسکرا کیوں پڑا تھا؟"

"دراصل وہ مجھ پر ہال کے اندر ہی حملہ کرانے کا پروگرام بنا چکا تھا۔ لیکن جب میں ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تو پہلے تو وہ مجھے گھورنے لگ گیا، پھر اُسے خیال آیا کہ اوپر والے کمرے میں وہ ہم سے زیادہ آسانی سے نبٹ سکے گا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور تم یقین رکھو، وہ آ ہی رہا ہو گا۔"

"کیا مطلب؟ کیا وہ فوراً ہی جھگڑا کرنا چاہتا ہے؟" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"ہاں! کیونکہ آج تک کوئی اس کے سامنے پستول نکالنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ یہ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا، اس لیے وہ پستول نکالنے والے کو زندہ دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرے گا۔ وہ خود یا اس کے آدمی آتے ہی ہوں گے ...... میں اس کے کام کرنے کا طریقہ کچھ کچھ سمجھ گیا ہوں۔"

"لیکن ابا جان...... آپ یہاں کیا کر سکیں گے۔ اس کے آدمی تو اس کے ساتھ ہیں ہی، سارے شہر کی ساری پولیس بھی اس کے اشاروں پر ناچتی ہے — اب آج کی مثال ہی لے لیجیے۔ سب انسپکٹر نے اس سے یہ پوچھنے کی جرأت تک نہیں کی کہ اس کے آدمیوں نے اکبر ناگی کو کیوں مارا؟"

"کیا تم ہمت ہار رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں خیر...... ایسی تو کوئی بات نہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہمت ہارنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" فاروق بولا۔

"تو پھر بیٹھو...... فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں — جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ کوئی نہ کوئی راز ایسا ضرور ہے ...... جو ہمیں معلوم نہیں۔ بے تاج بادشاہ کا اس راز سے گہرا تعلق ہے۔ اگر ہم وہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہم اس پر نہایت آسانی سے ہاتھ ڈال سکیں گے۔"

"کیا آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ وہ راز کیا ہے؟"

"ابھی تو میں کسی نتیجے پر پہنچ نہیں سکا، لیکن امید ہے کہ بہت جلد کچھ معلوم ہونے والا ہے۔"

"ابا جان، آپ ابھی کہہ رہے تھے کہ وہ خود یا اس کے آدمی آنے ہی والے ہیں لیکن ابھی تک تو کوئی آیا نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، میں خود حیران ہوں۔ ویسے وہ آج حملہ ضرور کریں گے۔"

"تمہارے ابو کا خیال بالکل ٹھیک ہے بچو، ہم آ چکے ہیں۔"

اس آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ تو کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر چکے تھے۔ پھر یہ آواز کہاں سے آئی تھی۔ انہوں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر ان کی نظریں غسل خانے کے دروازے پر پڑیں۔ دروازہ کھلا تھا اور اس میں تین غنڈے پستول ان کی طرف تانے کھڑے

تھے۔

ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ دشمن ان سے پہلے ہی کمرے میں آ جائیں گے۔ اب انہیں بے تاج بادشاہ کی مسکراہٹ یاد آئی۔ اس مسکراہٹ کا مطلب یہی تھا کہ جونہی یہ لوگ کمرے میں پہنچیں گے، میرے آدمی انہیں دبوچ لیں گے۔ اس نے ضرور اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا ہو گا اور وہ ان سے پہلے ہی یہاں آ گئے ہوں گے۔ یا پھر وہ دوسرے کمرے میں کھلنے والے غسل خانے کے دروازے کی طرف سے آئے ہوں گے۔

"بہت خوب، تم تو یہاں پہلے ہی موجود ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں، یہ ہمارا ہوٹل ہے، ہم اس کے جس حصے میں چاہیں، پہنچ سکتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" فاروق نے لاپروائی سے پوچھا۔

"بہت شاندار پروگرام ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" اس نے کہا۔

"کہاں؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔ "ہم تو تمہارے گاہک ہیں اور ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تمہیں تو ہم سے عزت سے پیش آنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"پہل تمہاری طرف سے ہوئی ہے۔ نہ تم اکبر ناگی کے معاملے میں دخل دیتے، نہ اس وقت ہم یہاں ہوتے۔" اس نے جواب دیا۔

"تو کیا میں اسے مر جانے دیتا۔ بھلا یہ میں کیسے دیکھ سکتا تھا۔" انسپکٹر

جمشید منہ بنا کر بولے۔

"تو آنکھیں بند کر لیتے، یا اٹھ کر اپنے کمرے میں آ جاتے۔ بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"دوسروں کے معاملے میں ٹانگ اڑانا میرا شوق ہے — اس لیے مجبور ہو گیا تھا۔ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ اب جاؤ اور ہمیں آرام کرنے دو۔"

"آرام تو اب تم ہمیشہ ہمیشہ ہی کرو گے۔" ان میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید نے جان بوجھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"چلو — مطلب بھی معلوم ہو جائے گا۔"

"کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں پوچھا۔

"بے تاج بادشاہ کے دربار میں۔"

"تم اس کے سر پر تاج بھی کیوں نہیں رکھ دیتے۔" فاروق نے جل کر کہا اور محمود، فرزانہ اور بیگم جمشید مسکرا دیے۔

"بکواس مت — یہاں بے تاج بادشاہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی زبان گدی سے کھینچ لی جاتی ہے۔"

"اچھا، اس وقت تک کتنی زبانیں کھینچ چکے ہو؟" فرزانہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

"اور کیا وہ سب زبانیں تم نے محفوظ کی ہوئی ہیں — اگر ایسا ہے تو ہم انہیں ضرور دیکھیں گے۔" محمود نے مسرت سے بھرپور آواز میں کہا۔

"تم تینوں کا دماغ تو نہیں چل گیا ــــــ تمہاری طرف تین تین پستول اٹھے ہوئے ہیں اور اس پر بھی بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہو۔ اب تم تینوں کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلے" ان میں سے ایک نے غرّا کر کہا۔

"یہ حکم ہمیں پہلے بھی کئی مرتبہ ل چکا ہے۔ اس لیے کوئی نئی بات نہیں ہے" فاروق نے لاپروائی سے کندھے جھٹک کر کہا۔

"معلوم ہو گیا ــــــ تمہارا دماغ خراب ہے ــــــ تم چلو" ان الفاظ کے ساتھ ہی تینوں پستول ان کی طرف تن گئے۔ انسپکٹر جمشید دروازے کی طرف بڑھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی قدم اٹھائے ہی تھے کہ بیگم جمشید بولیں:

"کیا میں بھی ساتھ چلوں گی یا یہیں ٹھہروں گی" یہ بات انہوں نے غنڈوں کی طرف منہ کر کے کہی تھی۔ اس پر انہوں نے مڑ کر دیکھا اور محمود، فاروق اور فرزانہ کو انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھتے دیکھ کر رک گئے۔

"تم تینوں یہیں ٹھہرو گے، تم سے چلنے کے لیے کب کہا گیا ہے" ان میں سے ایک چلا کر بولا۔

"بہت بہتر ــــــ" تینوں نے باادب ہو کر کہا اور چلتے چلتے رک گئے۔

"تو کیا ابا جان اکیلے جائیں گے" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں، صرف انہی کو پیش کرنے کا حکم ملا ہے۔ تم چاروں کمرے سے باہر قدم رکھنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ ورنہ انجام بہت خوفناک ہوگا"

"جی بہت اچھا۔ ہم ایسی غلطی ہرگز نہیں کریں گے" فاروق نے گھبرا

کر کہا۔

اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید کمرے سے باہر نکل چکے تھے۔ پھر جونہی وہ تینوں باہر نکلے، دروازہ بند کر کے باہر سے چٹخنی لگا دی گئی۔ اب وہ چاروں کمرے میں بند ہو چکے تھے۔

سیاہ گولی

دو پستول انسپکٹر جمشید کی پسلیوں کو چھو رہے تھے اور ایک کمر کو۔ پستولوں کی نالوں کے ذریعے ہی انہیں آگے دھکیلا جا رہا تھا۔ وہ صبر اور سکون سے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ باہر نکلتے ہی تینوں غنڈے کمرے کے دروازے کو باہر سے بند کر چکے ہیں۔ اس لیے محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف سے کوئی امداد ملنے کی امید نہیں رہی تھی۔ اس لیے اب جو کچھ کرنا تھا، انہی کو کرنا تھا۔

تیسرا برآمدہ طے کرنے کے بعد وہ ایک زینے کی طرف مڑ گئے۔

"اوپر چڑھو" انہیں حکم دیا گیا اور وہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اوپر پہنچ کر انہیں دائیں طرف مڑنے کے لیے کہا گیا ــــــ مڑتے ہی انہیں ایک کمرے کا دروازہ نظر آیا۔

"کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں ہے۔ اسے کھولو اور اندر داخل ہو جاؤ" انہیں پھر حکم دیا گیا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ سچ مچ کسی بادشاہ کے دربار میں داخل ہو گئے ہوں۔ ایک حیران کن منظر ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

۔ بے تاج بادشاہ ہال کے سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک اونچے سے چبوترے پر رکھی سنہری رنگ کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ کرسی سونے کی معلوم ہو رہی تھی۔ انسپکٹر جمشید کے دونوں طرف کرسیوں کی قطار تھی جن پر بے تاج بادشاہ کے درباری بیٹھے تھے۔ یہ سب کے سب درباری امیرانہ لباس میں تھے۔ بے تاج بادشاہ کے دائیں بائیں دو غنڈے مشین گنیں لیے کھڑے تھے۔ یہ بالکل کسی شاہی دربار کا منظر تھا۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ بادشاہ کے سر پر تاج نہیں تھا۔

"جہاں پناہ، مجرم حاضر ہے" انہیں لانے والے تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

"بہت خوب، دوستو، یہ ہے وہ آدمی جس نے آج ہمارے بھرے بھرے ہوٹل کے ہال میں پستول جیب سے نکال لیا۔ یہ شاید پہلی مرتبہ شہید گنج آیا ہے اور نہیں جانتا کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں۔ ہم اس دربار میں اسے یہ بتائیں گے کہ در اصل ہم کیا ہیں۔ شہید گنج میں کس کا حکم چلتا ہے اور اس کے بعد اسے اس بات کی سزا سنائی جائے گی جو شایانِ شان ہو گی"

یہ کہتے وقت بے تاج بادشاہ مسکرایا۔ پھر اس نے ایک آدمی کو کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ انسپکٹر جمشید نے دیکھا، وہ بہت قیمتی سوٹ پہنے ہوئے تھا۔

"تم کون ہو" بے تاج بادشاہ نے پوچھا۔

"شہید گنج کا ڈی ایس پی"

"یہاں کا سب سے بڑا افسر کون ہے؟"
"آپ" اس نے ادب سے کہا۔
"یہاں کس کا حکم چلتا ہے؟"
"آپ کا" اس نے جھک کر کہا۔
"اگر میں کہوں کہ سامنے کھڑے اس مجرم کو گولی مار دو تو تم کیا کرو گے؟"
"فوراً گولی مار دوں گا" اس نے اس طرح کہا جیسے وہ اس کا خریدا ہوا غلام ہو۔
"بہت خوب — اب تم بیٹھ جاؤ — اور تم کھڑے ہو جاؤ" بے تاج بادشاہ نے ایک اور آدمی کو کھڑا ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔
"تم کون ہو؟" اس نے پوچھا۔
"میں یہاں کی عدالت کا ایک جج ہوں"
"کیا تم میرے خلاف کوئی مقدمہ سن سکتے ہو؟"
"ہرگز نہیں" اس نے گھبرا کر کہا۔
"اگر میں کہوں کہ فلاں شخص کو پھانسی کا حکم دے دو تو تم کیا کرو گے؟"
"اسے پھانسی کا حکم دے دوں گا"
"یہاں کس کا حکم چلتا ہے؟"
"آپ کا"
"بس ٹھیک — بیٹھ جاؤ" اس نے کہا اور جج بیٹھ گیا۔

اس کے بعد وہ انسپکٹر جمشید کی طرف مڑتے ہوئے بولا:
"اب تم جان ہی گئے ہو گے کہ میں کیا ہوں اور کیا کچھ کر سکتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں کوئی سزا دوں — یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم ہو کون"
"ایک انسان" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔
"کہاں سے آئے ہو؟" اس نے غرا کر کہا۔
"دارالحکومت سے" انسپکٹر جمشید نے لاپروائی سے کہا۔
"وہاں کیا کرتے ہو؟"
"ملازمت کرتا ہوں"
"تمہیں پستول نکالنے کی جرأت کس طرح ہوئی" اس نے گرج کر کہا۔
"جب بھی اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آتا ہے، جب بھی کوئی ظالم کسی پر ظلم کرتا ہے، میں یہی کرتا ہوں۔ اگر کل پھر ہال میں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا تو میں کل بھی پستول نکالوں گا"
"بہت اچھا — جنگجو — اس کی سزا یہ ہے کہ اسے کالی گولی کھلائی جائے۔ فوراً اس پر عمل کیا جائے"
"بہت بہتر جناب" ہال میں سے ایک آدمی نے جھک کر کہا اور دوڑتا ہوا ہال سے نکل گیا۔
جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ٹین کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی۔ اس نے سب کے سامنے ڈبیا کو کھولا۔ اس میں کالے رنگ کی ایک گولی تھی۔

"یہ اس کے منہ میں رکھ دو — دیکھو، کہیں یہ اسے اگل نہ دے — گولی اس کے حلق سے نیچے اترنی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو تمہیں تین دن کی سزا دی جائے گی"
"تین دن کی سزا — ارے مر گیا — اب تو گولی اس کے پیٹ تک میں اتار کر چھوڑوں گا۔ پکڑو اسے"
انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔ وہ حیران تھے کہ یہ گولی کیا بلا ہے اور یہ کس قسم کی سزا ہے۔ انہوں نے جلدی سے مڑ کر دیکھا، پانچ چھ نوجوان آدمی آستینیں چڑھاتے چلے آ رہے تھے، انہیں گولی کھلانے کے لیے۔

✻ ✻ ✻

"اب ہم کیا کریں۔ وہ تو دروازہ باہر سے بند کر گئے" فرزانہ فکرمند لہجے میں بولی۔
"خدا جانے وہ ان سے کیا سلوک کریں" بیگم جمشید کا رنگ اڑا ہوا تھا۔
"امی جان، آپ فکر نہ کریں۔ ابا جان موم کے بنے ہوئے نہیں ہیں" محمود بولا۔
"پھر بھی..... ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہیے" فاروق نے کہا۔
"کیا کریں..... ہم کیا کر سکتے ہیں۔ دروازہ باہر سے بند ہے"
"اس کے لیے ترکیب نمبر ۱۶ استعمال کی جا سکتی ہے" فرزانہ

نے چونک کر کہا۔
"اوہ، بات تو ٹھیک ہے۔ تو پھر آؤ۔ ذرا جائزہ لے لیں"
تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیگم جمشید انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں کیونکہ وہ نہیں جانتی تھیں کہ ترکیب نمبر سولہ کیا ہے۔ تینوں نے مل کر ایک چارپائی کھڑی کی اور اسے روشن دان کے نیچے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ پھر فاروق اپنے پیروں کے انگوٹھے پھنساتا ہوا اوپر چڑھنے لگا — لیکن جب وہ چارپائی کے اوپر والے حصے تک پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ روشندان تک اس کا ہاتھ نہیں جا سکتا۔ وہ اونچا تھا۔ فاروق نیچے اتر آیا۔
"چارپائی کے نیچے کوئی چیز رکھنا ہو گی" اس نے کہا۔
"میز کے متعلق کیا خیال ہے"
"رہے گی تو ٹھیک لیکن کہیں چارپائی اس پر سے پھسل نہ جائے"
"فکر نہ کرو۔ ہم مضبوطی سے پکڑے رہیں گے"
"اچھی بات ہے"
تینوں نے مل کر میز کو روشن دان کے نیچے رکھا اور اس پر چارپائی کھڑی کی۔
"لو — اب اسے پکڑ لو"
"تم میز پر چڑھ جاؤ — ہم چارپائی کو پکڑ لیتے ہیں"
فاروق نے ایسا ہی کیا۔ ایک بار پھر وہ انگوٹھوں کی مدد سے اوپر چڑھ

رہا تھا۔ اس مرتبہ اس کا ہاتھ روشن دان سے کوئی ایک انچ نیچے رہ گیا۔

"تھوڑی سی کسر رہ گئی۔" اس نے مایوس ہو کر کہا۔

"کوشش کرو۔ ایڑیوں کے بل اٹھو ــــ شاید ہاتھ پہنچ جائے۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"میں اپنی پوری کوشش کر چکا ہوں۔"

"پھر اب کیا کریں ــــ کیا اب اس میز کے اوپر کوئی اور چیز رکھیں۔"

"محمود، تم فاروق سے دو انچ لمبے ہو ــــ تم کیوں نہیں چڑھتے۔" اچانک بیگم جمشید کا ذہن کام کر گیا۔

"بہت خوب، ہم تو یہ بات بھول ہی گئے تھے۔"

"لیکن محمود رسّی کے ذریعے اترنے میں ماہر نہیں ہے، چوٹ نہ لگ جائے۔" فرزانہ نے کہا۔

"رسّی کے ذریعے...... یہاں رسّی کہاں استعمال ہو رہی ہے۔"

"ابھی ہو گی امی جان، دوسری طرف اترنے کے لیے رسّی کی ضرورت ہو گی۔" فاروق مسکرایا۔

"کوئی پروا نہیں ــــ چوٹ لگتی ہے تو لگے ــــ نہ جانے ابا جان کس حال میں ہوں گے۔ میں کہتا ہوں دیر نہ کرو۔" محمود پریشان ہو کر بولا۔

"ٹھیک ہے ــــ میں نیچے آ رہا ہوں۔" فاروق نے کہا اور تیزی سے نیچے اترنے لگا۔

پھر انہوں نے ایک چارپائی کی پائنتی اتاری، محمود نے اس کا ایک سرا دونوں ہاتھ میں دبایا اور میز پر چڑھنے کے بعد چارپائی پر چڑھنے لگا۔ اس قسم کا کام اس سے پہلے فاروق کرتا رہا تھا، اس لیے وہ ماہر تھا۔ محمود کے لیے پہلا اتفاق تھا، جلد ہی اس کا سانس پھول گیا۔ آخر کسی نہ کسی طرح وہ روشن دان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ پہلے اس نے سر اندر داخل کر کے باہر برآمدے میں جھانکا ــــ دور دور تک کوئی نہیں تھا ــــ شاید اس ہوٹل میں بہت ہی کم لوگ ٹھہرتے تھے اور وہ بھی پہلی منزل میں۔

برآمدے کو خالی پا کر اس نے رسّی دوسری طرف لٹکائی اور اسے نیچے کی طرف گرانے لگا۔ پھر باہر جھانک کر دیکھا کہ رسّی کا سرا دوسری طرف فرش سے جا لگا ہے یا نہیں۔ سرا فرش کو چھوتا نظر آیا۔ اس نے سر اندر کر کے نیچے دیکھا اور دبی آواز میں کہا:

"خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

محمود بازوؤں کے بل اچک کر روشن دان میں گھس گیا۔ اس کا سر باہر اور دھڑ اندر تھا۔ دونوں ہاتھوں میں اس نے رسّی تھام رکھی تھی۔ رسّی کا دوسرا سرا فاروق پہلے ہی ایک الماری کی سلاخ سے باندھ چکا تھا۔ محمود نے زور لگایا اور سر کے بل رسّی کے ساتھ دوسری طرف لٹک گیا۔ پھر اس نے اپنی ٹانگیں روشن دان سے نکال لیں اور ٹانگیں نیچے آ رہیں۔ اب اس کا سر اوپر تھا اور ٹانگیں نیچے تھیں۔ رسّی کو دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے

تھامے وہ نیچے گھسٹنے لگا ــــ پھر جونہی اس کے پاؤں زمین پر لگے، ایک آواز آئی:

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

جنگو کی چیخ

فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید بھی یہ آواز سن کر چونک اٹھے۔ انہوں نے فوراً دروازے سے کان لگا دیے۔ تینوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق محمود پکڑا جا چکا تھا۔ اسی وقت انہوں نے محمود کی آواز سنی۔ آواز بالکل صاف آ رہی تھی۔ شاید محمود دروازے کے بالکل ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔

"جی...... وہ...... ہمارے ابو۔"

"تمہارے ابو ــــ کیا مطلب ــــ" اس آدمی نے چونک کر پوچھا۔ یہ ایک بھاری بھر کم اور سیاہ رنگ کا آدمی تھا۔ ناک پھولی ہوئی پکوڑا سی تھی۔

"جی ہاں...... ہمارے ابو......" محمود نے کہا اور فقرہ پھر نامکمل چھوڑ دیا۔

"کیا تم ہمیشہ نامکمل جملے بولتے ہو۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"جی...... جی...... نہیں تو...... نہ جانے آپ کو دیکھ کر کیا ہو گیا ہے کہ جملہ مکمل ہی نہیں ہو رہا ہے۔" محمود نے دل ہی دل میں مسکرا کر کہا۔

"لیکن یہ جملہ تو تم نے بالکل مکمل ادا کیا ہے۔" اس نے محمود کو گھورا۔

محمود چونک اٹھا۔ اس کے سامنے کھڑا ہوا آدمی بے وقوف نہیں تھا۔ آخر اس نے سنجیدہ ہو کر کہا:

"جی بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ابو گھر کے کا دروازہ باہر سے بند کرکے نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں، جب وہ گئے تو ہم سو رہے تھے۔ شاید اسی لیے وہ دروازہ بند کر گئے۔ اب ہم اندر پریشان ہو رہے تھے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ اس لیے ہم نے سوچا کہ کیوں نہ روشن دان کے ذریعے باہر نکلنے کی کوشش کی جائے۔"

"بہت خوب ۔۔۔ تم بہت چالاک ہو ۔۔۔ اب مجھ سے سنو میں کون ہوں۔ میں اوپر والی منزل کا چوکیدار ہوں۔ مجھے اس منزل پر بے تاج بادشاہ نے مقرر کیا ہے۔ میں ایک ایسی جگہ بیٹھ کر پوری منزل کی نگرانی کرتا ہوں جہاں سے سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے لیکن خود میں کسی کو نظر نہیں آتا۔ میں بہت دیر سے تمہیں یہ حرکتیں کرتے دیکھ رہا ہوں۔ تم نے ایک بہت غلط حرکت کی ہے۔ اس لیے میرا فرض ہے کہ میں تمہیں بے تاج بادشاہ کے سامنے پیش کر دوں۔ چلو میرے ساتھ۔" اس نے یہ کہتے ہوئے محمود کو بازو سے پکڑ لیا۔

"لیکن کیوں...... میں نے کیا جرم کیا ہے۔ صرف اپنے کمرے سے باہر نکلا ہوں نا۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"روشن دان کے ذریعے...... اس نے محمود کو گھورا۔" روشن دان ہوا کے لیے بنائے جاتے ہیں نہ کہ آنے جانے کے لیے۔"

"لیکن اگر دروازہ باہر سے بند کر دیا جائے تو پھر کوئی کیا کرے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"انتظار...... دروازہ کھلنے کا انتظار کرے۔" وہ مسکرایا اور پھر کہنے لگا: "اب تم چپ چاپ میرے ساتھ چلو۔"

"بہت اچھا، میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔" محمود نے قدرے بلند آواز میں کہا تاکہ فاروق اور فرزانہ بھی سن لیں اور اس کے ساتھ چلنے لگا، وہ سوچ رہا تھا، یہ اچھا ہی ہوا، اس طرح وہ خود بخود اپنے ابا جان کے پاس پہنچ جائے گا، انہیں تلاش نہیں کرنا پڑے گا۔

محمود آگے آگے چل رہا تھا اور کالے رنگ والا آدمی اس کے پیچھے تھا، چلتے چلتے وہ بولا:

"دیکھو، کوئی غلط حرکت نہ کرنا۔ میں نے ہاتھ میں پستول بھی پکڑ رکھا ہے۔"

"اس اطلاع کا شکریہ ۔۔۔ اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا۔ کیا خبر میں کوئی حرکت کر ہی بیٹھتا۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"اب اس زینے پر چڑھنا ہے۔" تیسرا بر آمدہ طے کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"بہت اچھا۔" محمود نے کہا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اوپر پہنچتے ہی اسے دائیں طرف ایک کمرہ نظر آیا۔

"اس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جاؤ۔" اس نے کہا۔

"اچھا جناب۔"

محمود نے دروازے کو دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا۔ پھر اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔ اندر کا منظر ہی عجیب تھا۔

※ ※ ※

"اب کیا کیا جائے۔ محمود تو پکڑا جا چکا ہے۔" فاروق نے فکر مند ہو کر کہا۔

"اب تم روشن دان کے ذریعے دوسری طرف اترنے کی کوشش کرو۔" فرزانہ نے تیزی سے کہا۔

"لیکن میرا ہاتھ ایک انچ نیچے رہ جاتا ہے۔"

"کیوں نہ اس میز کے نیچے کوئی چیز رکھ دی جائے۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"میز کی ٹانگوں کے نیچے اینٹیں رکھی جا سکتی ہیں، لیکن کمرے میں اینٹوں کا کیا سوال؟" فاروق بولا۔

"جس چیز کا کوئی سوال ہی نہیں، اس کا ذکر کیوں کرتے ہو۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ، کس چیز کا ذکر کروں۔" فاروق نے تنگ آ کر کہا۔

"فاروق، یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔" بیگم جمشید نے اسے ڈانٹا۔

"ٹھیک ہے امی جان، میں ایک بار پھر روشن دان تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر فاروق چارپائی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فرزانہ چونک اٹھی۔

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا بات ہے۔ خیر تو ہے۔ کیا کوئی بھوت نظر آ گیا ہے۔"

"ہاں، کوئی بھوت ہی ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ۔۔۔ یہاں بھوت کا کیا کام۔"

"دروازے کی طرف دیکھو۔" فرزانہ بولی۔

"کیوں۔ کیا دروازے میں بھوت موجود ہے۔" فاروق نے کہا۔

"تم دیکھو تو سہی، تمہیں اپنے سوال کا جواب خود ہی مل جائے گا۔"

فاروق نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر وہ بھی حیران رہ گیا ۔۔۔ دروازے کے دونوں پٹوں کے درمیان ایک باریک سی جھری دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف لپکے۔ ہینڈل پکڑ کر کھینچا، دروازہ کھلتا چلا گیا۔

"ارے یہ کیسے کھل گیا۔ یہ تو باہر سے بند تھا۔" بیگم جمشید ہکا بکا رہ گئیں۔

"کمال ہے...... کہیں یہ ہوٹل جادو کا تو نہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں، یہ بات نہیں...... میں سمجھ گئی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا سمجھ گئیں ۔۔۔ صاف صاف بات کیوں نہیں کرتیں۔"

"یہ کام محمود دکھا گیا ہے۔ وہ دروازے سے لگا کھڑا تھا اور اس

آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔ باتوں کے دوران وہ کُرتا کھجلانے کے بہانے ہاتھ پیچھے لے گیا ہو گا اور اس وقت اس نے دروازہ کھول دیا ہو گا۔"

"کمال کر دیا اس نے۔" بیگم جمشید کے منہ سے نکلا۔

* * *

پھر کے چھ آدمی انسپکٹر جمشید کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جنگو پہلے ہی ہاتھ میں پیالہ گولی لیے تیار کھڑا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں لے کر جو تین آدمی آئے تھے، وہ ابھی تک پستول تانے کھڑے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے ادھر ادھر دیکھا۔ بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اگر وہ ہلنے جلنے کی کوشش کرتے تو ان پر فائرنگ ہو سکتی تھی۔ دوسری صورت میں انہیں گولی کھانی پڑ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے، یہ گولی کیا بلا ہے۔

"گولی چپ چاپ منہ میں رکھ لو۔ فکر نہ کرو۔ یہ زہر کی گولی نہیں ہے۔" بے تاج بادشاہ نے کہا۔

"لاؤ۔ رکھ لیتا ہوں منہ میں۔" انسپکٹر جمشید نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔

"گولی میرا آدمی اپنے ہاتھ سے تمہارے منہ میں رکھے گا، بس تم اسے نگل لو گے۔"

"تو پھر کوشش کر دیکھو۔" انسپکٹر جمشید نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیا مطلب! کیا تم گولی نہیں کھاؤ گے؟" بے تاج بادشاہ نے چونک کر کہا۔

"اگر تم کھلا سکے تو کھا لوں گا۔" انہوں نے معصومانہ لہجے میں کہا۔

"پکڑ لو اسے اور گولی اس کے منہ میں ٹھونس دو۔" وہ گرجا۔

چھ آدمی ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں جکڑ لیا۔ انسپکٹر جمشید چاہتے تو ان کے قابو میں نہیں آ سکتے تھے لیکن انہوں نے کوئی کوشش نہ کی — جنگو نے جب دیکھا کہ وہ پوری طرح قابو میں آ چکے ہیں تو مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے چاہا، ان کا منہ کھول کر گولی منہ میں ٹھونس دے — لیکن انسپکٹر جمشید کے دانت تو ایک دوسرے پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ اس نے دانت ایک دوسرے پر سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ انسپکٹر جمشید کے گال دونوں طرف سے دبائے کہ کچھ منہ کھل جائے، اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ ایک بار پھر وہ دانت ایک دوسرے پر سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک انسپکٹر جمشید کا منہ تھوڑا سا کھل گیا، دوسرے ہی لمحے جنگو کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔ انہوں نے جنگو کی انگلی چبا لی تھی۔

ہوٹل سے فرار

محمود کی آنکھوں کے سامنے عجیب منظر تھا۔ بے تاج بادشاہ اس وقت واقعی بادشاہ بنا بیٹھا تھا۔ پورا دربار لگا ہوا تھا لیکن اس سے بڑھ کر حیرت اسے اپنے والد کو اس حالت میں دیکھ کر ہوئی کہ چھ آدمیوں نے انہیں پکڑ رکھا تھا اور ساتواں ان کا منہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند لمحے تک تو حیرت کی زیادتی کی وجہ سے اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا۔ آخر اس نے بوکھلا کر کہا:

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

سب چونک اٹھے۔ انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا، انسپکٹر جمشید محمود کو دیکھ کر مسکرائے۔

"بہت خوب — تم آ گئے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"مگر ابا جان، یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ورزش۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ "یہ لوگ مجھے ایک گولی کھلانا چاہتے ہیں اور میں کھانا نہیں چاہتا، لہٰذا اس سلسلے میں ہم آپس میں ورزش کر رہے ہیں۔ اگر یہ کامیاب ہو گئے تو میں گولی کھا لوں گا، ورنہ یہ اپنی گولی خود ہی کھا لیں گے۔"

"گولی — کیا مطلب؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"ہاں بھئی گولی...... لیکن پستول کی نہیں...... خدا جانے وہ کس چیز کی گولی ہے۔"

"اگر ان لوگوں کو گولی کھلانے کی اتنی ہی ضرورت ہے تو لائیے میں کھا لیتا ہوں — لاؤ بھئی...... مجھے دے دو گولی، میں بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے کھا لوں گا، میں ویسے بھی گولیوں کا شوقین ہوں اور دن میں پندرہ بیس گولیاں کھا ہی جاتا ہوں۔ ایک تمہاری گولی اور کھا لینے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔" محمود مذاق اڑانے والے انداز میں کہتا چلا گیا — پھر اچانک بولا۔ "بلکہ میں تو اس گولی کے بدلے میں تمہیں بھی ایک گولی کھانے کے لیے دے سکتا ہوں تاکہ بدلہ اتر جائے۔ میرے پاس جو گولی ہے اسے کھا کر تم یقیناً خوش ہو جاؤ گے۔ یہ دیکھو۔"

یہ کہتے ہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ ہاتھ جب باہر نکلا تو اس میں واقعی ایک گولی تھی جو کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی۔

"یہ زبان دراز چھوکرا کون ہے اور یہاں تک کیسے آ پہنچا؟" بے تاج بادشاہ نے جھلا کر کہا۔

"بتاؤ بھائی۔" محمود نے اس آدمی سے کہا جو اسے لے کر یہاں تک آیا تھا۔ اس پر انسپکٹر جمشید مسکرانے لگے۔

"یہ اس کمرے سے باہر نکلا تھا جس سے تم لوگ اس شخص کو لے کر ہوٹل کے چوکیدار نے بتایا۔"

"کیا کہا — اس کمرے سے نکلا تھا لیکن اس کمرے کا دروازہ تو ہم باہر سے بند کر گئے تھے۔" انسپکٹر جمشید کو یہاں تک لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں ...... لیکن یہ روشن دان کے ذریعے نیچے اترا تھا۔" چوکیدار بولا۔

"اوہ !" ان کے منہ حیرت کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"لیکن کیسے۔" بادشاہ کے ایک درباری کے منہ سے نکلا۔

"خدا جانے کیسے نکلا تھا۔ میں نے تو صرف اتنا دیکھا تھا کہ ایک رسی روشن دان سے نیچے لٹکائی گئی تھی اور پھر یہ روشن دان میں سے نکل کر رسی کے ذریعے نیچے لٹکتا نظر آیا تھا۔" چوکیدار کا منہ خود بھی حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ انسپکٹر جمشید برابر مسکرائے جا رہے تھے۔

"کمال ہے۔" کسی ایک کے منہ سے نکلا۔

"خیر کوئی بات نہیں — ایک گولی اسے بھی کھلا دو۔" بے تاج بادشاہ نے اسے گھور کر کہا۔

"ہاں ہاں ...... کیوں نہیں —— میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں —— تم نے دیکھ ہی لیا کہ میری جیب میں سے بھی ایک عدد گولی نکلی ہے۔ یہ تم میری طرف سے قبول کرو۔ میں تمہاری یہ گولی شکریے کے ساتھ قبول کروں گا کیونکہ ہماری امی جان کی نصیحت ہے کہ جب بھی کسی سے کوئی چیز لو، اس کا شکریہ ضرور ادا کرو۔" محمود مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"میں نے اس سے زیادہ باتونی لڑکا آج تک نہیں دیکھا۔" بے تاج

بادشاہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اگر میرا بولنا اتنا ہی ناگوار گزر رہا ہے تو میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ البتہ یہ گولی ضرور پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔"

یہ کہہ کر محمود نے گولی پرسے کا غلاف اتارا اور ہال کے درمیان میں اچھال دیا۔ سب نے بے خیالی میں گولی کی طرف دیکھا۔ وہ سیدھی چھت کی طرف گئی اور پھر فرش پر گری۔ فرش پر گرتے ہوئے ہال میں ایک خوفناک دھماکا ہوا۔ اتنا خوفناک کہ وہ سب لرز گئے۔ انسپکٹر جمشید کو جن چھ آدمیوں نے پکڑ رکھا تھا، انہوں نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔ اتنی دیر میں پورا ہال دھوئیں سے بھر چکا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے محمود کا ہاتھ پکڑا اور ہال سے باہر نکل گئے۔ اب وہ برآمدے میں بے تحاشا دوڑ رہے تھے۔

* * *

"آؤ فاروق —— ہم چلیں۔ امی جان آپ یہیں رہیں اور دروازہ اندر سے بند کر لیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ضرور جاؤ۔" انہوں نے کہا۔

دونوں کمرے سے باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ وہ حیران تھے کہ آخر برآمدے میں لوگ آتے جاتے دکھائی کیوں نہیں دیتے۔ یہ کیسا ہوٹل ہے۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ اب کس طرف جائیں۔

"نہ جانے وہ لوگ کہاں گئے ہوں گے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"عقل استعمال کرو۔" فرزانہ بولی۔

"تمہارے ہوتے ہوئے عقل استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔ "ذرا جلدی سے کوئی ترکیب سوچو کہ وقت بہت نازک ہے۔ ابا جان اور محمود پکڑے جا چکے ہیں۔ ہمیں جلد از جلد کچھ کرنا ہے۔"

"تو پھر یوں کرتے ہیں کہ برآمدے میں جتنے بھی کمرے ہیں۔ ان کے دروازوں پر باری باری کان لگا کر سن گن لیتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھتے ہیں۔ کسی نہ کسی کمرے میں تو ان کا سراغ ملے گا۔" فرزانہ نے ترکیب بتائی۔

"واہ! ترکیبیں سوچنے میں تمہارا جواب نہیں۔ چلو یہی کرتے ہیں۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ ہر کمرے کے دروازے پر ایک دو سیکنڈ کے لیے رکتے اور پھر آگے بڑھ جاتے۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ برآمدے کا تیسرا موڑ مڑ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہیں سیڑھیاں نظر آئیں۔ فاروق نے چونک کر کہا:

"جلدی سے اوپر چڑھ چلو —— اس پوری منزل میں وہ کہیں نہیں ہیں۔ نیچے ہوٹل کا ہال ہے، اس لیے نیچے ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اوپر ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے ..... آؤ۔"

دونوں تیزی سے اوپر چڑھتے ہوئے زینے پر پہنچے۔ اس کے دائیں ہاتھ انہیں ایک کمرہ نظر آیا۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جونہی وہ اس دروازے کی طرف بڑھے، محمود کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ محمود کہہ رہا تھا:

"...... البتہ یہ گولی ضرور پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔"

اس کے فوراً بعد ہی ایک خوفناک دھماکا ہوا۔

"دھماکا ہو گیا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں، ایک طرف ہو کر کھڑی ہو جاؤ۔"

دونوں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ اسی وقت انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ پھر انسپکٹر جمشید محمود کا ہاتھ تھامے دوڑتے ہوئے باہر نکلے اور زینہ اترتے ہوئے نیچے چلے گئے۔

چند لمحے کے لیے انہوں نے سوچا کہ کیا کریں۔ اُن کے پیچھے دوڑ چلیں یا کمرے کا جائزہ لیں۔ پھر اچانک فاروق کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ فرزانہ نے بھی سوچے سمجھے بغیر اس کا ساتھ دیا۔

* * *

انسپکٹر جمشید نے اپنے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ بیگم جمشید نے اندر سے پوچھا:

"کون؟"

"ہم ہیں، دروازہ کھولیں امی جان۔" محمود نے جلدی سے کہا۔ بیگم جمشید نے فوراً دروازہ کھول دیا اور دونوں کو ہانپتے ہوئے دیکھ کر بولیں:

"کیا ہوا —— خیر تو ہے؟"

"ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہے۔ فاروق اور فرزانہ کہاں ہیں؟"

"وہ، وہ دونوں تو آپ کی تلاش میں گئے ہیں۔"

"اوہ ـــــ یہ بہت بُرا ہوا ـــــ اب ہم یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔ بے تاج بادشاہ اور اس کے ساتھی ہال سے نکل کر سیدھے اس طرف آئیں گے" انسپکٹر جمشید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اسی وقت انھوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ وہ چونک اٹھے۔ سمجھے کہ بے تاج بادشاہ اور اس کے ساتھی پہنچ گئے، لیکن کمرے میں داخل ہونے والے تو فاروق اور فرزانہ تھے۔

"اوہ، تم آگئے ـــــ لیکن ..... افسوس! اب ہم باہر نہیں نکل سکتے"

"کیوں ابا جان" فرزانہ نے پوچھا۔

"وہ لوگ یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے"

"ہم ہال کا دروازہ باہر سے بند کر آئے ہیں۔ نیچے والے ہال میں بیٹھے ہوئے سب لوگ افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں کچھ اوپر بھی بھاگ رہے ہیں۔ ہمارے لیے اس سے اچھا موقع اور کون سا ہو سکتا ہے" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ! وہ مارا ـــــ جلدی کرو ـــــ فوراً یہاں سے نکل چلو۔ سامان کی بھی پروا نہ کرو" انسپکٹر جمشید چلاتے اور انھوں نے تیزی سے جھکتے ہوئے اپنا اٹیچی کیس اٹھا لیا۔

پھر وہ کمرے سے باہر نکلے زینے کی طرف دوڑنے لگے۔

دشمن آگئے

نیچے ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ دھماکا اتنا خوفناک تھا کہ ہر ایک کے ہوش و حواس گم ہو گئے تھے۔ کوئی اوپر بھاگ رہا تھا تو کوئی نیچے۔ ایسے میں کسی کو کیا پڑی تھی کہ ان کی طرف دھیان دیتا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ہوٹل کی عمارت میں ضرور کوئی بم پھٹا ہے۔ لیکن دراصل یہ صرف دھوئیں کا بم تھا جو ایک چھوٹی سی گولی کی شکل میں محمود کی جیب میں رہتا تھا۔ ایک موقع پر پروفیسر داؤد نے اسے خوش ہو کر دیا تھا۔ اس وقت محمود نے اسی سے فائدہ اٹھایا تھا۔

وہ دوڑتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ باہر کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ انسپکٹر جمشید نے ایک لمحے کے لیے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک ٹیکسی کی طرف بڑھے۔ ٹیکسی ڈرائیور کسی سواری کے انتظار میں باہر ہی کھڑا تھا۔ انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمشید ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ٹیکسی کے حرکت میں آتے ہی ڈرائیور نے پوچھا:

"کہاں چلیے گا جناب"

"بھائی، یہاں ٹھہرنے کی کوئی اچھی سی جگہ بھی ہے یا نہیں"

"یہاں عام طور پر لوگ اسی ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے ہوٹل ہیں چھوٹے اور گندے ہیں"

"تو پھر..... اب ہم کیا کریں۔ یہ جگہ بھی تو شریفوں کے لائق نہیں" انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کا اظہار کیا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ خیر میں آپ کو ایک بہت اچھی جگہ لیے چلتا ہوں۔ یہ جگہ ایک چھوٹی سی سرائے ہے لیکن بہت صاف ستھری ہے۔ آپ کو گھر کا سا آرام ملے گا" ڈرائیور نے کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

ٹیکسی تقریباً پندرہ منٹ دوڑتی رہی۔ اس دوران میں انسپکٹر جمشید برابر پیچھے دیکھتے رہے۔ دُور دُور تک کوئی کار آتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کو تعاقب کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اگر فاروق اور فرزانہ عقل مندی نہ دکھاتے اور دروازہ بند نہ کر دیتے تو اس وقت تک یا تو وہ پکڑے جا چکے تھے یا ان کا تعاقب ہو رہا ہوتا۔

ٹیکسی ایک چھوٹی سی سُرخ رنگ کی عمارت کے سامنے رُکی۔ وہ نیچے اتر آئے۔ ٹیکسی کا بل ادا کیا۔

"اندر چلے جائیے۔ ایک بہت نیک آدمی آپ کو ملے گا۔ وہ ضرور آپ کو ٹھہرنے کے لیے جگہ دے گا"

"اچھا شکریہ"

ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ انھوں نے عمارت کے دروازے پر دستک دی۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور سُرخ ڈاڑھی والا ایک بوڑھا دروازے میں کھڑا دکھائی دیا۔

"فرمائیے"

"ہم شہید گنج میں سیر کی غرض سے آئے تھے اور ایک غلط جگہ ٹھہر گئے تھے۔ کیا آپ کے ہاں چند دن کے لیے کوئی کمرہ مل جائے گا ـــــ" انسپکٹر جمشید نے نہایت میٹھے لہجے میں کہا۔

"کیوں نہیں ..... ضرور ملے گا۔ اندر آجائیے"

بوڑھا انہیں ایک کمرے میں لے آیا۔ کمرہ اگرچہ چھوٹا تھا لیکن صاف ستھرا تھا اور ضرورت کی سب چیزیں اس میں موجود تھیں۔

"کیا اس میں گزارا ہو جائے گا" بوڑھے نے پوچھا۔

"ضرور ہو جائے گا۔ ہمیں اس کا کیا کرایہ ادا کرنا ہوگا"

"کوئی کرایہ نہیں۔ آپ جتنے دن چاہیں رہ سکتے ہیں۔ بوڑھا بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ کیا آپ اپنی سرائے کے کمروں کا کرایہ نہیں لیتے"

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ یہ ایک سرائے ہے" بوڑھے نے حیران ہو کر کہا۔

"تو کیا ..... سرائے نہیں ہے" انسپکٹر جمشید نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں - یہ تو میرا مکان ہے - میں یہاں رہتا ہوں"
"تب تو ہمیں معاف کر دیں ــــ لیکن ..... اس ٹیکسی ڈرائیور نے تو کہا تھا کہ یہ سرائے ہے" انسپکٹر جمشید کا حیرت کے مارے بُرا حال تھا -
"وہ سمجھا" بوڑھے نے مسکرا کر کہا "دراصل وہ میرا بیٹا ہے اور میرے ساتھ ہی رہتا ہے - شام کو آئے گا تو ملواؤں گا - اس کے خیالات بہت اچھے ہیں - آپ کو پریشان دیکھا تو یہاں لے آیا اور کہہ دیا کہ یہ ایک سرائے ہے"
"اوہ ' تو یہ بات تھی - پھر تو ہم نے آپ کو تکلیف دی - ہم کہیں اور چلے جاتے ہیں"
"کیوں ــــ آپ لوگ بڑے شوق سے یہاں رہ سکتے ہیں - مکان ہم دونوں باپ بیٹے کے لیے بہت بڑا ہے - ہم دونوں تو ایک کمرے میں بھی گزارا کر لیتے ہیں"
"تو پھر آپ اس کا بقیہ حصہ کرائے پر کیوں نہیں دے دیتے" فاروق نے پہلی مرتبہ زبان کھولی -
"شہید گنج میں کوئی شخص اپنا مکان کرائے پر نہیں دے سکتا - کوئی ہوٹل کسی مہمان کو نہیں ٹھہرا سکتا - یہ حق صرف اور صرف تھری سٹار ہوٹل کو پہنچتا ہے - یہ بے تاج بادشاہ کا حکم ہے"
"اوہ ! میں سمجھ گیا ــــ اچھا یہ بتایئے ..... اگر اُسے پتا چل گیا کہ آپ نے ہمیں یہاں ٹھہرایا ہے تو پھر وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا"
"اسے پتا لگے گا ہی کیوں" بوڑھے نے مسکرا کر کہا -

"اس لیے کہ ہم اس کے ہوٹل میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے - وہاں ہمارا اس سے جھگڑا ہو گیا - ہم کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے" انسپکٹر جمشید نے بتایا -
"کیا کہا ــــ نکلنے میں کامیاب ہو گئے - یہ کیسے ہو سکتا ہے - بے تاج بادشاہ سے جھگڑنے کے بعد کوئی وہاں سے بچ کر نہیں نکلا" بوڑھے نے حیرت زدہ ہو کر کہا -
"جسے اللہ رکھے ' اسے کون چکھے"
"تب پھر تم سب خطرے میں ہو - بے تاج بادشاہ کے شکاری کتے پورے شہید گنج میں تمہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے اور وہ تلاش کرتے ہوئے یہاں بھی آئیں گے"
"اس طرح آپ بھی مشکل میں گرفتار ہو جائیں گے ' اس لیے ہم یہاں سے چلتے ہیں" انسپکٹر جمشید اٹھ کر کھڑے ہو گئے -
"نہیں ' تم یہاں سے نہیں جاؤ گے" بوڑھے نے کہا -
"کیا مطلب ؟" وہ چونکے -
"میں تمہیں پناہ دے چکا ہوں - ایک مسلمان جب کسی کو پناہ دے دیتا ہے تو پھر اس کی حفاظت اپنی جان کی بازی لگا کر بھی کرتا ہے - اب تم لوگ یہاں سے نہیں جا سکتے - تم لوگ آرام کرو - جب کوئی خطرہ ہوگا ' میں آ جاؤں گا" یہ کہہ کر بوڑھا جانے لگا ' اسی وقت محمود نے پوچھا :
"بابا ' آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں"

"میرا نام ....." بوڑھا جاتے جاتے رک گیا اور مڑ کر بولا "میرا نام رحیم خان ہے اور میرے بیٹے کا نام کریم خان ہے"
"بہت بہت شکریہ بابا"
رحیم خان کے جانے کے بعد وہ چند لمحے کچھ سوچتے رہے - آخر فاروق بولا :
"یہاں آتے ہی حالات کس قدر تیزی سے پیش آتے ہیں"
"ہاں ' ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے" فرزانہ بولی -
"لیکن ابا جان ' اب ہم کیا کریں گے - آخر ہم بے تاج بادشاہ کی پوری فوج کا مقابلہ کیسے کریں گے - جب کہ یہاں کی پولیس تک ہمارا ساتھ نہیں دے گی" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا -
"دیکھا جائے گا - اب یہاں آ گئے ہیں تو بزدلوں کی طرح بھاگنے سے تو رہے" انسپکٹر جمشید بولے -
"ابا جان ! وہ سیاہ گولی کیا بلا تھی ؟" محمود نے پوچھا -
"کیسی سیاہ گولی ؟" فرزانہ نے چونک کر پوچھا کیونکہ اُسے اور فاروق کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا -
اس پر انسپکٹر جمشید نے انہیں تفصیل سے ساری بات بتائی - سیاہ گولی کیا چیز تھی ' یہ وہ انہیں نہ بتا سکے ' انہیں خود معلوم نہیں تھا -
"کمال ہے ' آخر وہ آپ کو گولی کیوں کھلانا چاہتے تھے ؟"
"خدا ہی بہتر جانتا ہے - ویسے امید ہے کہ ہم بہت جلد معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"

"مجھے تو خطرے کی بُو آ رہی ہے" فرزانہ بولی -
اس کا جملہ سُن کر فاروق نے زور زور سے نتھنے پھیلائے اور پھر بولا :
"مجھے تو کوئی خوشبو آ رہی ہے نہ بدبُو"
"تمہاری تو ناک خراب ہو گئی ہے - کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ" فرزانہ جل کر بولی -
"شہید گنج میں پتا نہیں کوئی ناک کا ماہر ڈاکٹر ملے یا نہ ملے - اس لیے ڈاکٹر کو دکھانے کا پروگرام شہر جانے کے بعد دیکھیں گے" محمود نے سنجیدگی سے کہا -
"آخر اب ہم کیا کریں گے" فرزانہ نے اس کی بات پر دھیان نہ دیتے ہوئے کہا -
"کچھ نہ کچھ تو ضرور کریں گے" فاروق مسکرا کر بولا -
"میں تم سے کب پوچھ رہی ہوں" فرزانہ تڑخ کر بولی -
"اچھا ! میں سمجھا ' مجھ سے پوچھ رہی ہو" فاروق نے بھی تیزی سے کہا -
"دیکھو ' مجھ سے اُلجھنے کی کوشش نہ کرنا" فرزانہ نے اسے دھمکی دی -
"بہت اچھا ' ویسے میں کوئی پتنگ کی ڈور نہیں ہوں کہ تم سے اُلجھ جاؤں گا" فاروق بدستور مسکرائے جا رہا تھا -
"دھت تیرے کی ــــ ہو گئے یہ تو شروع" انسپکٹر جمشید نے ران پر ہاتھ مار کر کہا -

"مجھے تو شہید گنج کا یہ معرکہ لمبا ہوتا معلوم ہو رہا ہے۔ حالات کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور اس وقت تک ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ ہم تک نہیں جان سکے کہ آخر بے تاج بادشاہ ہیں وہ کونسی طاقت ہے کہ پولیس بھی اس کے سامنے دم نہیں مارتی" محمود بولا۔

"شاید تمہارا ہی خیال ٹھیک ہو، بہرحال اب ہم اس قصے کو ختم کر کے ہی جائیں گے۔ آئندہ لوگ شہید گنج آئیں گے تو ان سے صرف ایک وقت کے ناشتے کے ستائیس روپے وصول نہیں کیے جائیں گے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے تو یہ کام اتنا آسان دکھائی نہیں دیتا۔ آپ اکیلے ہیں اور آپ کے مقابلے میں بیسیوں ہیں"

"اللہ مالک ہے۔ وہ ضرور کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دے گا" انہوں نے کہا۔

"کیا آپ کے ذہن میں کوئی ترکیب ہے۔ کیا آپ نے کچھ سوچا ہے"

"ابھی تک تو سکون کا سانس لینے کا موقع ہی نہیں ملا" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، اب ہم اس سرائے سے باہر نہیں نکل سکتے، ادھر باہر نکلے اور ادھر پھنسے" فرزانہ بولی۔

"یہاں سے نکلے بغیر تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے" فاروق نے مایوسانہ

انداز میں کندھے اچکائے۔

"بے فکر رہو — ہم یہاں سے بڑی آسانی سے نکل سکیں گے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"وہ کیسے ابا جان" فرزانہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

عین اسی وقت وہ سب چونک اٹھے۔ مکان کے بیرونی دروازے پر کسی نے پورے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

گرفتاری اور رہائی

ادھر بیرونی دروازے پر دستک ہوئی، ادھر رحیم خان دروازے پر نمودار ہوا اور پرسکون انداز میں بولا:

"وہ لوگ آ گئے ہیں - وہ پورے مکان کی تلاشی لیں گے"

"اب کیا پروگرام ہے" انسپکٹر جمشید نے بھی اطمینان سے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں، تلاشی کے دوران وہ آپ کو نہ دیکھ سکیں —" رحیم خان نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ نے اگر ہوشیاری سے کام لیا تو وہ پورے مکان کی تلاشی لینے کے بعد بھی آپ کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ جلدی کریں، میرے ساتھ آئیں"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور رحیم خان کے پیچھے چل پڑے۔ عین اس وقت دروازہ دوبارہ کھٹکھٹایا گیا۔ اتنی دیر میں رحیم خان انہیں ایک کوٹھڑی میں لا چکا تھا۔ اس کوٹھڑی میں روئی کے بورے ایک دوسرے کے اوپر رکھے تھے۔

"ان بوروں کے پیچھے خود کو چھپا لو۔ میں باہر سے تالا لگا دوں گا"

یہ کہہ کر رحیم خان باہر نکل گیا اور دروازہ بند کر کے تالا لگانے کے بعد دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے بیرونی دروازہ کھولا تو دروازے میں اسے بے تاج بادشاہ کے چھ خونخوار آدمی کھڑے نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں کھلے چاقو اور بندوقیں تھیں۔

"کیا بات ہے جناب — خیر تو ہے" رحیم خان نے بوکھلانے کی ایکٹنگ کی۔

"ہم تمہارے مکان کی تلاشی لیں گے" ان میں سے ایک نے کہا۔

"مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے جناب"

"کچھ نہیں، آج شہید گنج کے ہر گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے۔ اسٹیشن سے کوئی گاڑی تک روانہ نہیں ہونے دی گئی۔ ہمیں ایک مرد، ایک عورت اور تین بچوں کی تلاش ہے۔ اگر انہوں نے تمہارے گھر میں پناہ لی ہو تو فوراً بتا دو، ورنہ تلاشی لینے پر وہ مل گئے تو ساتھ میں تم بھی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے"

"میرے گھر میں..... بھلا میرے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔ ایک بیٹا ہے، وہ بھی ٹیکسی چلانے گیا ہوا ہے"

"ہوں، تو تم نے کسی کو پناہ نہیں دی" اس نے گھور کر کہا۔

"آپ تلاشی لے سکتے ہیں"

"ٹھیک ہے۔ ہم تلاشی ضرور لیں گے"

وہ اندر داخل ہو گئے اور ایک ایک کمرے میں گھس کر دیکھنے لگے۔

انہوں نے باورچی خانہ اور غسل خانہ تک دیکھ ڈالا۔ پھر وہ اس کمرے کی طرف آئے جس میں کچھ دیر پہلے انسپکٹر جمشید وغیرہ بیٹھے تھے۔

پھر خونخوار آدمی اندر آئے اور کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کمرہ اندر سے خالی تھا۔ اچانک رحیم خان کی نظر کھونٹی پر ٹنگے ہیٹ پر پڑی۔ یہ ہیٹ شاید انسپکٹر جمشید کا تھا اور انہوں نے ہی اسے یہاں ٹانگا تھا۔ جاتے وقت انہیں اس ہیٹ کا خیال نہیں رہا ہوگا۔ رحیم خان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ پھر تلاشی لینے والوں کی نظریں بھی ہیٹ پر جم کر رہ گئیں۔

"یہ ہیٹ یہاں کہاں سے آیا؟"

"میرے بیٹے کا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور عام طور پر پہنے رہتے ہیں ——" رحیم خان نے ایک دم کہا۔

عین اسی وقت کوئی سیٹی بجاتا ہوا اِدھر آیا۔ وہ چونک اُٹھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ آنے والا رحیم خان کا لڑکا کریم خان تھا۔

* * *

وہ انہیں دیکھ کر چونک اٹھا اور بولا:

"کیا بات ہے ابا، یہ لوگ کس سلسلے میں یہاں آئے ہیں؟"

"بیٹا یہ......" رحیم خان نے بیٹے کو کچھ بتانا چاہا، مگر بے آرج بادشاہ کے ایک غنڈے نے ایک دم کہا۔

"ٹھہرو، پہلے ہمیں اس سے سوال کر لینے دو۔ کیا یہ ہیٹ تمہارا ہے؟"

یہ سوال سن کر رحیم خان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے گھبرا کر کریم خان کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے جواب دے رہا تھا:

"ہاں کیوں، ہیٹ گھر میں رکھنا جرم ہے؟" اور رحیم خان نے سکون کا سانس لیا۔

"نہیں —— ہمیں دراصل ایک مرد، ایک عورت اور تین بچوں کی تلاش ہے۔"

"یہاں ان کا کیا کام؟" کریم خان نے پوچھا۔

"شہید گنج کے ہر گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے۔"

"اوہ اچھا۔" اس نے چونک کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ تلاشی لے چکے ہیں یا ابھی کچھ جگہیں باقی ہیں؟"

"ابھی مکان کا کچھ حصہ باقی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل آئے اور باقی رہ جانے والے کمروں کو دیکھنے لگے۔ آخر چلتے چلتے وہ اس کمرے تک آ گئے جس کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور جس کے اندر روئی کے بورے رکھے تھے۔

"اس کمرے میں کیا ہے؟"

"روئی کے بورے —— میں روئی کا کاروبار کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، تالا کھولو۔"

"جی اچھا۔" رحیم خان نے کہا اور تالا کھولنے لگا۔ کریم خان بھی اس کے ساتھ موجود تھا۔

کمرہ نیم تاریک سا تھا۔ باہر کی تیز روشنی میں سے جب وہ اندر داخل ہوئے تو انہیں اندر بڑے بڑے بوروں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔

"کیا یہاں بجلی نہیں ہے؟"

"جی نہیں، اس کمرے میں بلب لگانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔"

"ہو سکتا ہے، وہ لوگ ان بوروں کے پیچھے چھپے ہوئے ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر آپ ان بوروں کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیں۔"

"ہوں ——" وہ کچھ دیر کھڑے بوروں کو دیکھتے رہے۔ پھر کمرے سے باہر نکل آئے۔

رحیم خان نے جلدی سے دروازے کے دونوں پٹ برابر کر دیے۔ کچھ دیر تک وہ دروازے کے باہر کھڑے کچھ سوچتے رہے۔ پھر چند قدم آگے بڑھتے چلے گئے۔ رحیم خان نے اطمینان کا سانس لیا، لیکن اس کا اطمینان فوراً ہی رخصت ہو گیا، جب ان چھ میں سے ایک نے رک کر کہا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو —— میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ واپس مڑا اور دوبارہ گودام کے دروازے پر آیا۔ رحیم خان نے باہر نکلنے کے بعد تالا نہیں لگایا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

کمرے کے اندر انسپکٹر جمشید، بیگم جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کھڑے اپنے کپڑے جھاڑ رہے تھے۔

"خبردار، اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔" وہ پوری قوت سے چلایا۔ انسپکٹر جمشید اور دوسرے تو پہلے ہی دروازہ کھلنے پر چونک اٹھے تھے۔ اس کی آواز سن کر باقی ساتھی بھی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔

"تو ہمارے شکار یہاں موجود ہیں۔" دوڑ کر آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ "تو پھر اس مکان کے مالک اور اس کے بیٹے کو بھی پکڑ لو۔ تم سب اس کمرے سے باہر آ جاؤ۔"

انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھی ہاتھ اوپر اٹھائے کمرے سے باہر نکل آئے۔ فوراً ہی چھ میں سے دو ساتھی گئے اور رحیم خان اور کریم خان کو بھی پکڑ لائے۔

"مجھے افسوس ہے، ہماری بے وقوفی کی وجہ سے آپ پر بھی مصیبت نازل ہوئی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ دراصل یہ لوگ بہت چالاک ثابت ہوئے۔" رحیم خان نے کہا۔

"باتیں نہ بناؤ۔ تم سب کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ پہلے ہم ڈرائنگ روم میں چلیں گے، وہاں ہمارا کچھ ضروری سامان پڑا ہے، وہ ساتھ لے لیں تو پھر چلتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن کوئی چالاکی کرنے

کی کوشش نہ کرنا۔"

"چالاکی سے تو آپ نے کام لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"زیادہ باتیں نہ بناؤ۔"

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر انھوں نے ادھر ادھر دیکھا لیکن وہاں کوئی سامان نہیں تھا۔

"یہاں تو کوئی سامان نہیں ہے۔ تم جھوٹ کہتے تھے۔"

"کیوں بابا..... کیا ہمارا سامان یہاں نہیں تھا۔" انسپکٹر جمشید رحیم خان کی طرف مڑے۔

"تھا..... تھا کیوں نہیں ــــ لیکن میں اسے تمہارے کمرے میں رکھ آیا تھا۔ اگر یہ لوگ اجازت دیں تو میں جا کر لے آؤں۔"

"ٹھیک ہے، ہمارا ایک آدمی ساتھ جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ بھیجو اپنا آدمی ساتھ۔" رحیم خان نے کہا اور کمرے سے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف چل پڑا۔ ایک آدمی ان میں سے اس کے پیچھے چل پڑا۔

"کیا میں سگار پی سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے اچانک کہا۔

"ضرور پی سکتے ہو لیکن اس سے پہلے ہم تمہاری جیبوں کی تلاشی ضرور لیں گے۔"

"بڑی خوشی سے لے لو۔"

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر ان سب کی باری باری تلاشی لی۔ کسی

کی جیب سے کچھ نہ نکلا، البتہ انسپکٹر جمشید کی جیب میں سگار کا ڈبا اور ماچس ضرور موجود تھی۔ تلاشی کے بعد انھوں نے ایک سگار نکالا۔ اس کا سرا توڑا اور ماچس کے ذریعے اسے سلگا کر کش لگانے لگے۔

دوسری طرف محمود، فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید ہوشیار ہو چکے تھے۔ انسپکٹر جمشید سگریٹ یا سگار کے عادی نہیں تھے۔ کبھی شوقیہ بھی نہیں پیتے تھے۔ لیکن آج وہ سگار پی رہے تھے۔ اس سے وہ چاروں اندازہ لگا چکے تھے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ انھوں نے دیکھا، ان کے بائیں طرف کریم خان کھڑا تھا۔ انسپکٹر جمشید کے دائیں طرف وہ خود تھے۔ پانچوں دشمن ان کے بالکل سامنے اس طرح کھڑے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھوں میں پستول یا چاقو موجود تھے۔

"کریم خان مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنے کا خیال نہیں رہا۔ شہید گنج میں شاید تم اور تمہارے والد ہی ایسے انسان ہیں جو بے تاج بادشاہ کے خلاف کسی کی مدد کر سکتے ہیں۔ کریم خان تم شاید یہ سمجھتے ہو گے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے، لیکن سنو ــــ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ ہم سٹیشن سے اتر کر تمہاری ہی ٹیکسی میں بیٹھے تھے۔ دوسرے دن جب ہم ناشتا کر رہے تھے تو تم بھی ہال کی ایک میز پر موجود تھے، جب کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور تھری سٹار ہوٹل میں ناشتا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود بھی تم وہاں موجود تھے۔ میں نے سوچا، تمہاری موجودگی اتفاقیہ نہیں ہو سکتی۔ ضرور تم کسی خاص مقصد کے لیے آئے

ہو گے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اکبر تاجی والا جھگڑا شروع ہو گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس میں نہ اُلجھوں لیکن آخر کار دخل دینا پڑا۔ پھر بدحواسی کے عالم میں ہی اپنے ساتھیوں سمیت اوپر چلا گیا ــــ تم اس وقت بھی ہال میں موجود تھے۔ میں نے اوپر جاتے ہوئے بھی تمہاری طرف دیکھا تھا۔ پھر حالات کچھ ایسے پیش آئے کہ ہمیں ہوٹل سے بھاگنا پڑا۔ جب ہم ہوٹل سے باہر آئے تو کئی ٹیکسیاں سواری کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ تم مجھے ایک ٹیکسی کے باہر کھڑے نظر آئے، اور میں جان بوجھ کر تمہاری ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گیا۔ تم ہمیں اپنے ہی گھر لے آئے۔ گھر کو ایک سرائے بتایا۔ اس طرح ہم یہاں آ گئے۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟"

"بہت خوب، آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ آپ اس قسم کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکیں گے۔ خیر، تو میں آپ کو اس کی وجہ بتائے دیتا ہوں ــــ دراصل بات یہ ہے ....."

اسی وقت رحیم خان انسپکٹر جمشید کا اٹیچی کیس اٹھائے اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ دشمنوں کا ایک ساتھی بھی تھا۔

"یہ رہا آپ کا اٹیچی کیس۔"

"بہت خوب، آپ کا بہت بہت شکریہ، ہاں تو مسٹر کریم آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"جی ہاں، میں آپ کو نظر میں رکھے ہوئے تھا، کیوں کہ میں نے

اسٹیشن پر ہی آپ کو پہچان لیا تھا اور آپ کے بچوں کو بھی۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"مطلب یہ کہ میں جانتا ہوں، آپ کا نام رحمت علی نہیں ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب ــــ اگر اس آدمی کا نام رحمت علی نہیں ہے تو پھر کیا ہے۔" بے تاج بادشاہ کے ایک غنڈے نے چونک کر پوچھا۔

"بے وقوفو..... اگر تمہیں ان کا نام معلوم ہو گیا تو شاید تم لوگ پستول تھامنے کے قابل بھی نہیں رہ جاؤ گے۔" کریم خان نے غصے کے عالم میں کہا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔"

"ہاں، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"ذرا ہم بھی تو سنیں..... ان کا کیا نام ہے۔"

"کیوں جناب ــــ کیا مجھے اجازت ہے۔" کریم خان نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

"نہیں، ابھی نہیں۔ ذرا میں ان سے دو ایک سوال کر لوں۔" انھوں نے کہا اور دشمنوں کی طرف مڑے۔ سگار کا اگلا سرا راکھ میں تبدیل ہو چکا تھا اور اب اس کا درمیانی حصہ آگ پکڑ چکا تھا۔ انسپکٹر جمشید جلدی جلدی کش لگا رہے تھے۔ سگار بدستور ان کے ہونٹوں میں دبا ہوا تھا۔

"کیا تم مجھے بتاؤ گے، سیاہ گولی کیا چیز ہے۔" انھوں نے پوچھا۔

"ہم نہیں جانتے ـــــ صرف اتنا جانتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے ساتھ چلو گے۔"

"وہ تو خیر ہم چلیں گے ہی ـــــ اچھا اتنا بتادو، بے تاج بادشاہ دراصل کون ہے۔ شہید گنج پر اس کی حکومت کیوں ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں یہ بھی نہیں معلوم۔"

"میں سمجھ گیا۔ تمہیں دراصل کچھ بھی نہیں معلوم۔ بس تمہیں تو یہ معلوم ہے کہ ہمیں گرفتار کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ٹھیک سمجھے۔ اب ہمارے ساتھ چلنے کی تیاری کرو۔"

"کہاں لے جاؤ گے؟"

"بے تاج بادشاہ کے پاس۔"

"اور اگر میں تمہارے ساتھ جانے سے انکار کردوں تو؟" انسپکٹر جمشید نے اچانک مسکرا کر کہا۔

"تو ہم تمہیں زبردستی لے جائیں گے۔"

"لیکن ...... یہ سگار؟" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا اور محمود، فاروق اور فرزانہ چونک اٹھے۔

"سگار ـــــ کیا مطلب؟" ان سے بات کرنے والے نے بھی حیران ہو کر پوچھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ جب تک میں سگار پی رہا ہوں، اس وقت

تک مجھے کیسے لے جا سکو گے؟"

"یہ کیا بکواس ہے؟"

"اس کا جواب تو میرا سگار ہی دے گا۔ اس کی طرف غور سے دیکھو۔"

نہ صرف دشمنوں نے بلکہ باقی سب افراد نے بھی چونک کر سگار کی طرف دیکھا۔ سگار اس وقت تک نصف سے کچھ کم جل چکا تھا۔ انہوں نے دیکھا ـــــ اس کے شعلے کے گرد ایک نیلے رنگ کا شعلہ تیزی سے چکر کاٹ رہا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر سکتے میں رہ گئے۔ نیلا شعلہ برابر چکر کاٹ رہا تھا ـــــ ابھی وہ سگار کی طرف گھور گھور کر دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک چھ کے چھ دشمن دھڑام سے فرش پر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔

"لیجیے ـــــ یہ تو ہو گئے بے ہوش۔ اب انہیں باندھنے کی تیاری کریں۔"

"ہم ..... مگر ..... یہ کیسے بے ہوش ہو گئے؟"

"اس سگار کی وجہ سے ـــــ دراصل یہ سگار نہیں ..... ایک جدید قسم کا ہتھیار ہے۔ اس میں سے باریک باریک سوئیاں دشمنوں پر پھینکی جا سکتی ہیں۔ بس منہ سے پھونک مارنے کی دیر ہے۔ ایک وقت میں اس میں سے ایک درجن سوئیاں نکل کر سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کے جسموں میں چبھ جائیں گی اور وہ فوراً بے ہوش ہو جائیں گے۔ ان کے ہوش میں آنے میں دو گھنٹے لگیں گے۔ اتنی دیر میں ہم انہیں باندھ ہی لیں گے۔ سوئیوں پر دراصل بے ہوش کرنے والا زہر لگا ہوا ہے۔"

"لیکن ابا جان، یہ نیلا شعلہ کیسا ہے؟"

"یہ سگار میں سے خارج ہونے والی ایک گیس کی وجہ سے ہے۔ دشمن کو حیران کرنے کے لیے اس گیس کا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ لوگ اس شعلے کو دیکھنے میں گم ہو جائیں اور سوئیاں اپنا کام کر جائیں۔ اب تم کسی پیالی میں تھوڑا سا پانی لا دو تاکہ میں سگار کو بجھا دوں۔" انہوں نے محمود سے کہا۔

"جی اچھا ـــــ"

تقریباً آدھ گھنٹے بعد دشمن باندھ کر ایک کمرے میں ڈالے جا چکے تھے اور وہ سب اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ہم اس مکان تک تلاشی کے لیے آنے والوں کو قابو میں کر چکے ہیں، لیکن جب اسے معلوم ہوگا کہ اس کے چھ ساتھی گم ہیں تو ہمارے ساتھ ان کی تلاش بھی شروع کر دی جائے گی اور اس صورت میں ہمیں نئی مشکلات پیش آئیں گی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تو پھر ..... ان کا کیا کیا جائے؟" فاروق نے پوچھا۔

"کیوں نہ انہیں شہر کی کسی سڑک پر ڈال دیا جائے؟" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"تمہاری تجویز معقول تو ہے، لیکن یہ ہوش میں آنے کے بعد بے تاج بادشاہ کو یہاں کا پتا بتا دیں گے۔ اس صورت میں ہمیں یہ ٹھکانا چھوڑنا پڑے گا۔ پھر ہم کہاں جائیں گے اور اگر ہم انہیں اپنے مکان میں ہی قید کر دیں تو تلاشی کے دوران انہیں کہاں چھپائیں گے؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تب پھر کیا کریں؟" محمود نے پوچھا۔

"یہی تو سوچنا ہے۔"

وہ سب سوچ میں ڈوب گئے۔ اچانک انسپکٹر جمشید نے سر اوپر اٹھایا اور بولے:

"میں نے ترکیب سوچ لی ہے۔ دشمنوں کو اسی حالت میں رات کے وقت کسی سڑک پر ڈال دیا جائے گا۔"

"آپ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اس صورت میں یہ لوگ بے تاج بادشاہ کو یہاں کا پتا بتا دیں گے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں بتا سکیں گے نا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ "یہی تو میں نے سوچا ہے کہ یہ لوگ کسی کو بھی کچھ نہ بتا سکیں۔"

"آخر کیسے ـــــ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فاروق نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، میرا اٹیچی کیس دیکھ رہے ہو ـــــ میں اس سے بڑے بڑے کام لیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ میں ابھی اس کا علاج کرتا ہوں۔"

وہ سب اس کمرے میں آئے جہاں چھ دشمن بندھے پڑے تھے۔ اب وہ ہوش میں تھے۔ انسپکٹر جمشید کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"تم بچ نہیں سکو گے۔ بے تاج بادشاہ تمہیں وہ سزا دے گا کہ شہید گنج کا بچہ بچہ لرز اٹھے گا۔"

"کوئی بات نہیں، اس قسم کی سزائیں مجرم حضرات مجھے دیتے ہی رہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

پھر انھوں نے اٹیچی کیس کھولا۔ اس میں سے دوائی کی ایک شیشی نکالی
پھر ٹیکہ لگانے والی ایک سرنج میں دوائی بھری اور ان کے بازوؤں میں
اس کے ذریعے دوائی کی ایک خاص مقدار داخل کر دی۔ وہ خوفزدہ انداز
میں چیخنے چلاتے ہی رہ گئے کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ تم ہمیں زہر کا ٹیکہ لگا رہے
ہو۔ بے تاج بادشاہ تمہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔"
وہ چلاتے چلاتے بے ہوش ہو گئے۔ اس پر انسپکٹر جمشید بولے:
"اب جب یہ ہوش میں آئیں گے تو سب کچھ بھول چکے ہوں گے
کہ تلاشی لینے کے لیے کس مکان میں گھسے تھے اور وہاں کیا واقعات پیش
آئے تھے۔"
"کمال ہے۔" رحیم خان کے منہ سے نکلا۔
"اب ہم ان کا کیا کریں گے؟" محمود نے پوچھا۔
"رات کے وقت کسی سڑک پر ڈال آئیں گے اور اس کام کے لیے
کریم خان کی ٹیکسی استعمال کی جائے گی۔"
"اس گھر کی ہر چیز حاضر ہے۔" کریم خان نے مسکرا کر کہا۔
"اب آپ کا آئندہ کیا پروگرام ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔
"میں کل پھر ہوٹل تھری سٹار جاؤں گا اور وہاں ایک کمرہ کرائے پر لے
کر اس میں رہوں گا۔"
"کیا ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" کریم خان نے حیران ہو کر کہا۔
"ہاں، یہ بہت ضروری ہے۔"

"لیکن بے تاج بادشاہ کے آدمی تو آپ کو شکاری کتوں کی طرح تلاش
کرتے پھر رہے ہیں۔" بیگم جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔
"کوئی بات نہیں۔ ان کے فرشتے بھی مجھے نہیں پہچان سکیں گے۔"
"ابا جان، کیا ہم بھی آپ کے ساتھ ہوں گے؟" فاروق نے پوچھا۔
"نہیں، تم اس شہر میں گھومتے پھرو گے اور تھری سٹار ہوٹل میں پچھلے
راستے سے داخل ہونے کی کوشش کرو گے۔"
"بہت خوب، کیا دشمن ہمیں بھی نہیں پہچانے گا؟" فرزانہ نے کہا۔
"نہیں، وہ تمہیں غور سے دیکھتے ہوئے پاس سے گزر جائیں گے، تب
بھی نہ پہچان سکیں گے۔"
"ابا جان، کیا وہ لوگ سب کے سب اندھے ہو جائیں گے ۔۔۔"
فاروق نے معصومانہ لہجے میں کہا۔
اور سب ہنس پڑے۔

بے تاج بادشاہ کے نام

رات کا کھانا کریم خان نے خود تیار کیا تھا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر
انسپکٹر جمشید بولے۔
"اب ہم دو گھنٹے تک آرام کریں گے اور اس کے بعد ان چھ شکاریوں کو
گھر سے باہر کہیں پھینکنے کے لیے جانا ہو گا۔"
"ٹھیک ہے، ہم بھی آرام کر لیتے ہیں۔" رحیم خان بولے۔
ان دونوں کے جانے کے بعد فاروق نے کہا:
"ابا جان، آخر آپ کا پروگرام کیا ہے۔ وہ کونسا طریقہ ہے کہ ہم شہید گنج
کی سڑکوں پر گھومتے پھریں گے۔ لیکن بے تاج بادشاہ کے آدمی پاس سے گزرنے
اور غور سے دیکھنے کے باوجود بھی ہمیں پہچان نہیں سکیں گے۔"
"میک اپ ۔۔۔ میں اپنی اور تمہاری شکلوں میں اس حد تک تبدیلی کر دوں
گا کہ کوئی ہمیں نہ پہچان سکے گا اور تو اور ہم خود بھی ایک دوسرے کو شاید نہ پہچان
سکیں گے۔ اگر الگ الگ میک اپ کر دوں۔"
"پھر تو ابا جان، خوب لطف رہے گا۔ دشمن ہمارے پاس سے گزر جائیں گے
اور ہم مزے سے گھومتے رہیں گے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔
"ابا جان، آپ خود کیسا میک اپ کریں گے؟" محمود نے پوچھا۔

"میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گا ۔۔۔ لیکن میں تمہارے آس پاس موجود رہوں گا،
فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"جی بہت اچھا۔"
"پروگرام تو صبح سے شروع کرنا ہے۔ آپ صبح تھری سٹار ہوٹل جائیں گے
اور ہم سڑکوں پر گھومتے پھریں گے۔ پھر آپ میک اپ کس وقت کریں گے؟"
فرزانہ نے سوال کیا۔
"پہلے بے تاج بادشاہ کے آدمیوں کو ٹھکانے لگا لیں۔ پھر یہ کام بھی ہو
جائے گا۔"
"اس کا مطلب ہے، آپ واپس آنے کے بعد اور سونے سے پہلے یہ کام
کریں گے؟"
"ہاں، یہی مناسب بھی رہے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے، بے تاج بادشاہ کے
آدمیوں کا کوئی اور گروہ ادھر آ نکلے، اس صورت میں ہمیں تلاشی دیتے وقت کوئی
پریشانی نہیں ہو گی۔ نہ روئی کے بوروں کے درمیان چھپنے کی ضرورت رہے گی۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا۔
"بالکل ٹھیک، ویسے ابا جان ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ رحیم خان کے
بیٹے کریم خان کو آخر آپ سے اور ہم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ہم اسٹیشن پر
پہنچے تو اس نے ہمیں پہچان لیا، پھر وہ تھری سٹار میں بھی ہمارے پیچھے پہنچ گیا۔
آخر کیوں؟ یہ بات میرے پلے نہیں پڑ رہی۔" محمود نے کہا۔
"ابھی تک میں خود بھی نہیں سمجھ سکا، خود کریم خان نے بتایا نہیں، خیر معلوم

ہو ہی جائے گا۔"

"مجھے تو کوئی گہرا چکر معلوم ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں، کوئی بات نہیں۔ وقت پر ہر بات معلوم ہو جائے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور نہ ہی اب تک یہ بات سمجھ میں آسکی ہے کہ وہ سیاہ گولی کیا بلا تھی۔ اگر دشمن آپ کو وہ گولی کھلانے میں کامیاب ہو جاتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔" محمود نے کہا۔

"اب میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ وہ مجھے گولی کھلا دیتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ایک بات میں وعدے سے کہہ سکتی ہوں...... کہ ہو نہ ہو تھری سٹار میں بھی کوئی عجیب و غریب چکر چل رہا ہے۔ بے تاج بادشاہ بغیر وجہ کے بے تاج نہیں بن گیا، ضرور کوئی راز اس معاملے کی تہ میں کام کر رہا ہے۔ وہ راز کیا ہے۔ یہ ہمیں معلوم کرنا ہے۔ اگر ہم معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ پورا کیس حل ہو جائے گا۔" فاروق نے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ وقت پر سب باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ فکر نہ کرو۔"

"تو پھر ہم کیوں نہ تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جائیں، صبح سے بھاگ دوڑ میں مصروف ہیں، واقعات کچھ اس طرح اوپر تلے پیش آئے ہیں کہ سوچنے سمجھنے اور آرام کرنے کی بالکل مہلت نہیں ملی۔"

"ہاں، تم چاروں بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔"

لیکن وہ سو نہ سکے، رات کے گیارہ بجے تک کوئی نہ کوئی بات نکلتی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ رحیم خان نے ان کے دروازے پر دستک دی۔ انسپکٹر جمشید نے

اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"گیارہ بج گئے ہیں۔ کیا ہم کام شروع کر دیں؟"

"ہاں، اب ہمیں انہیں ٹھکانے لگا ہی دینا چاہیے۔ کہیں کوئی اور گروہ نہ تلاش میں آ نکلے۔"

"کیا ہم سب چلیں گے؟" کریم خان نے پوچھا۔

"نہیں، بچے یہیں رہیں گے۔ صرف ہم تینوں جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔ پھر وہ محمود کی طرف مڑے:

"تم یہیں رہو گے۔ دروازہ اندر سے بند کر لینا اور اگر کوئی دروازے پر آ جائے تو اس وقت تک دروازہ نہ کھولنا جب تک کہ اطمینان نہ کر لو۔ اگر تمہیں ذرا بھی شک ہو کہ دستک دینے والے بے تاج بادشاہ کے آدمی ہیں تو ہرگز دروازہ نہ کھولنا۔"

"اور اگر وہ دروازہ توڑنے لگیں؟"

"تو پھر جو تمہارے جی میں آئے، وہ کرنا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت بہتر۔" تینوں خوش ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں کھلی چھٹی دے دی تھی۔

اس کے بعد انسپکٹر جمشید، رحیم خان اور کریم خان نے مل کر ان چھ بے ہوش آدمیوں کو ٹیکسی میں لادا اور روانہ ہو گئے۔ محمود نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

* * *

"اب ہم کیا کریں؟" فاروق نے محمود کے واپس آنے کے بعد کہا۔

"ظاہر ہے کہ ہم ابا جان اور دونوں میزبانوں کی واپسی تک جاگتے رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔" محمود بولا۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ جاگنے کے دوران ہم کیا کریں؟"

"گپیں ہانکیں گے اور کیا کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

"بھئی تم ہانکتے رہو گپیں ـــ میں تو نیند کو ہانکوں گی۔" بیگم جمشید نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

اور وہ مسکرا پڑے۔ محمود بولا:

"ٹھیک ہے امی جان، آپ شوق سے سو جائیں۔"

وہ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا، بیگم جمشید گہری نیند سو رہی تھیں۔

"لو بھئی، امی تو گئیں سو ـــ اب شروع کرو گپیں۔" فاروق نے کہا۔

"کیا گپیں ہانکنا اتنا ہی ضروری ہے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تو جو تم کہو، وہ کر لیتے ہیں ـــ کیا لڈو کھیلیں یا کیرم کی بازی لگائیں۔" محمود نے پوچھا۔

"نہ جانے یہاں لڈو یا کیرم ہوگا بھی یا نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہی ہوں۔" فرزانہ نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"تو بتاؤ نا، کیا سوچ رہی ہو؟" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ فرض کرو، اس وقت بے تاج بادشاہ کے آدمیوں کی کوئی ٹولی یہاں آ جائے تو ہم کیا کریں گے؟"

"ظاہر ہے کہ دروازہ نہیں کھولیں گے۔" محمود نے کہا۔

"اور اگر وہ دروازہ توڑ ڈالیں تو ہم کیا کریں گے؟"

"ظاہر ہے کہ ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کوئی ایسی بات نہیں جو ظاہر نہ ہو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اور اگر ہم مقابلہ نہ کر سکے تو کیا ہوگا؟" فرزانہ بھی سوال کرنے پر جیسے تل گئی تھی۔

"ہوگا کیا ـــ وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔" محمود نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"دھت تیرے کی ـــ میری کسی بات کا جواب تم نے ڈھنگ سے نہیں دیا۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"آخر تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کیوں نہ ہم کوئی ایسی تدبیر کریں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"کیا مطلب؟" محمود اور فاروق دونوں نے بیک وقت کہا۔

"میری تجویز یہ ہے کہ کیوں نہ ہم ابا جان کے آنے سے پہلے خود ہی میک اپ کر لیں۔"

"کیا میک اپ کر لیں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، میں نے کوئی فارسی میں تو نہیں کہا ہے۔"

"لیکن ہم نے آج تک یہ کام نہیں کیا۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"تو کیا ہوا ۔۔۔ آج کر کے دیکھ لیتے ہیں۔" فاروق نے پرجوش لہجے میں کہا۔
"اگر تمہاری بھی یہی مرضی ہے تو ایسا ہی کر لیتے ہیں۔"
تینوں اپنی اپنی شکلیں تبدیل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ وہ ایک بڑے آئینے کے سامنے یہ کام کر رہے تھے۔ اگرچہ انہوں نے اس قسم کا کام پہلے کبھی نہیں کیا تھا، پھر بھی انہوں نے پورے سلیقے اور ڈھنگ سے یہ سب کیا۔ ابھی وہ اچھی طرح فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔
"لو شاید دشمن آ پہنچے۔" فرزانہ بولی۔
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ ابا جان ہوں۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔
"ہو کیوں نہیں سکتا ۔۔۔ بالکل ہو سکتا ہے۔" فاروق بولا۔
"تو آؤ چل کر دیکھیں۔"
"لیکن ہمیں آواز بدل کر بات کرنی چاہیے۔" محمود نے مشورہ دیا۔
آخر وہ دروازے پر پہنچے، لیکن انہیں آواز بدل کر بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ جونہی وہ دروازے پر پہنچے، باہر سے آواز آئی:
"یہ ہم ہیں محمود، دروازہ کھول دو۔"
انہوں نے جونہی دروازہ کھولا۔ رحیم خان اور کریم خان اچھل پڑے ۔۔۔ برآمدے میں جلنے والے بلب کی روشنی میں ان کے سامنے تین اجنبی بچے کھڑے تھے۔
"کون ہو تم؟" رحیم خان نے گھبرا کر پوچھا۔

تینوں نے اپنے والد کی طرف دیکھا۔ ان کے ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ [illegible] وہ سمجھ گئے کہ وہ ان کے دھوکے میں نہیں آئے ہیں۔ اسی وقت انسپکٹر [illegible] بولے:
"تم ابھی اس کام میں ماہر نہیں ہو۔ دن کی روشنی میں فوراً پہچان [illegible] جاؤ گے۔"
"ارے، تو کیا یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔" کریم خان نے حیرت زدہ [illegible] میں کہا۔
"ہاں! انہوں نے دشمن سے بچنے کے لیے میک اپ کیا ہوگا۔" انسپکٹر [illegible] نے کہا۔
یہ کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہو گئے۔
"کمال ہے، ہم تو ڈر ہی گئے تھے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ میک اپ [illegible] کرنے میں ماہر نہیں ہیں۔"
"ہاں، یہ بالکل ٹھیک ہے۔ صبح جب آپ انہیں دیکھیں گے تو پھر آپ سمجھ سکیں گے کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"
"ابا جان، آپ کو باہر کوئی خطرہ تو پیش نہیں آیا؟" فاروق نے سوال [illegible]
"نہیں، ہم بخیر و عافیت ان چھ آدمیوں کو ایک سڑک کے کنارے پھینک آئے ہیں۔ بلکہ میں بے تاج بادشاہ کے نام ایک پیغام بھی چھوڑ آیا ہوں۔"
"ارے، وہ کیا؟" محمود نے کہا

فاروق اور فرزانہ بھی حیرت اور دلچسپی سے ان کی طرف دیکھنے لگے ۔۔۔ انسپکٹر جمشید پہلے تو مسکرائے اور پھر انہیں پیغام کے بارے میں بتانے لگے۔

سیاہ گولی
اشتیاق احمد

پھول سے پیارے بچو:

"بے تاج بادشاہ" پڑھنے کے بعد آپ کو مجھ پر بے تحاشا غصہ آ گیا۔ مجھے خود بھی اندازہ تھا کہ ایسا ہو گا کیونکہ کہانی اس ناول میں مکمل نہیں ہو سکی تھی — کیا کرتا، کہانی لمبی ہوتی چلی گئی۔ اگر اس ناول میں ختم کرنے کی کوشش کرتا تو کہانی نقص ہو کر رہ جاتی اور پھر آپ منہ بنا کر کہتے ...... یہ کہانی تھی یا چوں چوں کا مربہ — یہی وجہ تھی کہ اس کہانی کو مجھے دو گونی تک لے جانے پر مجبور ہو گیا۔

ویسے آپ بے فکر ہو جائیں۔ بے تاج بادشاہ کی کہانی اس ناول کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی اور اسے پڑھنے کے بعد آپ کا سارا غصہ بھی کافور ہو جائے گا۔ میری ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہر ناول مکمل ہو اور ایک کہانی ایک ہی ناول میں مکمل ہو جائے۔ آئندہ بھی میری یہی کوشش اور خواہش ہو گی تاکہ آپ کو مجھ پر دانت پیسنے کا کوئی اور موقع نہ ملے۔

اشتیاق احمد

تحفہ

بے تاج بادشاہ پریشانی کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھا۔ اپنے تمام غنڈوں اور پولیس کے تمام جیالوں کو انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کی تلاش میں روانہ کر چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے آدمی بہت جلد انہیں پکڑ کر لے آئیں گے۔ اس یقین کے باوجود وہ پریشان تھا کیونکہ ایک ہی دن میں دو واقعے ایسے پیش آئے تھے کہ اس کی ساری عزت خاک میں ملتی نظر آ رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر انہیں گرفتار کرنا چاہتا تھا۔

دو گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔ پھر اس کے آدمی رپورٹیں لے لے کر آنے لگے۔ ہر کوئی خالی ہاتھ واپس آ رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکے تھے۔ شہید گنج کا کونا کونا چھان مارا گیا۔ شام تک اس کے تمام آدمی واپس آ گئے — اور اس وقت پتا چلا کہ ان میں سے چھ غائب ہیں۔

بے تاج بادشاہ نے فوراً اپنے دربار کا رخ کیا اور سب کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

"میرے چھ آدمی ابھی تک واپس نہیں آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ضرور اس گھر میں داخل ہوئے ہوں گے جس گھر میں ان لوگوں نے پناہ لی ہو گی — میں چاہتا ہوں، ان چھ آدمیوں کے ساتھ ان لوگوں کو بھی فوراً گرفتار کیا جائے

اور ان کو پناہ دینے والوں کو بھی؛ ورنہ سب کو بدترین سزا دوں گا — ایک بات بالکل ظاہر ہے۔ شہید گنج میں کوئی نہ کوئی گھر ایسا ضرور ہے جس میں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں، وہیں ہمارے آدمی بھی ہوں گے۔ اس لحاظ سے ان کی گرفتاری آسان ہو گئی ہے۔ جاؤ اور جا کر انہیں ڈھونڈ نکالو۔ میں صبح تک کی مہلت دیتا ہوں۔ صبح کا سورج ان لوگوں کو ہوٹل تھری سٹار کے باہر بندھا ہوا دیکھے — یہ میرا حکم ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ غصے میں پیچ و تاب کھاتا اٹھ کھڑا ہوا اور کرسی کے ساتھ بنے دروازے میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تمام کے تمام درباری دم بخود کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ آخر انہیں بھی ہال سے نکلنا پڑا۔ ایک بار پھر وہ شہید گنج کے ہر گھر کی تلاشی لینے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

پورے شہید گنج میں زلزلہ سا آ گیا۔ ایک ہی دن میں دوسری مرتبہ تلاشی کوئی معمولی سا واقعہ نہ تھا۔ لوگ جھنجلا اٹھے۔ انہوں نے دانت پیسے، خون کے گھونٹ پیے لیکن تلاشی دینے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکے۔ ان غریبوں کی سنتا بھی کون تھا۔ تمام محکموں کے افسران تو بے تاج بادشاہ کی مٹھی میں تھے کس کے سامنے جا کر زبان کھولتے، کس کے خلاف مقدمہ کرتے۔ خاموشی سے تلاشی دینے ہی میں بہتری سمجھی۔

تلاشی کے دوران لوگوں کے سامان الٹ پلٹ کر دیے گئے۔ گھروں کے دروازے توڑ دیے گئے۔ اکثر لوگوں کو مارا پیٹا اور دھمکایا گیا — ایسے میں رحیم خان کے مکان کی باری بھی آئی۔ اس نے پہلے کی طرح انسپکٹر جمشید اور

ان کے بچوں کو روئی کے گودام میں چھپا دیا۔ اس مرتبہ انسپکٹر جمشید اپنا بیٹ اٹھانا نہیں بھولے تھے۔ تلاشی لینے والے سارے گھر میں گھومتے پھرے۔ آخر میں گودام کی باری بھی آئی۔ اس مرتبہ تلاشی لینے والے دس آدمی تھے۔ انہوں نے رحیم خان سے گودام کا تالا کھولنے کے لیے کہا۔ تالا کھول دیا گیا۔ دس کے دس آدمی اندر گھس گئے۔ بوروں کو ادھر سے ادھر کیا گیا۔ رحیم خان ڈر گیا کہ اس مرتبہ خیر نہیں — وہ ضرور پکڑے جائیں گے لیکن تمام بوروں کو الٹ پلٹ کرنے کے بعد بھی انسپکٹر جمشید اور بچے کہیں نظر نہ آئے تو وہ خود بھی حیران رہ گیا۔

"آؤ چلیں، وہ لوگ اس مکان میں نہیں ہیں۔" تلاشی لینے والوں کے سردار نے کہا۔

وہ باہر نکل گئے۔ رحیم خان اور اس کا بیٹا بہت دیر تک دروازے میں کھڑے انہیں جاتے دیکھتے رہے۔ پھر دروازہ بند کر کے پلٹے اور بے تحاشا دوڑتے ہوئے گودام میں پہنچے۔

"آپ لوگ کہاں ہیں؟" رحیم خان نے بے چین ہو کر کہا۔

انہیں کوئی جواب نہ ملا۔ دونوں حیران رہ گئے۔ کریم خان نے کہا:

"ابا جان، یہ لوگ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس مرتبہ ضرور وہ کہیں اور چھپ گئے ہوں گے۔"

"لیکن میں نے انہیں گودام میں چھپنے کے لیے کہا تھا اور ان کے جانے کے بعد خود دروازے کا تالا لگایا تھا۔" رحیم خان حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"لیکن آپ نے انہیں اندر جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا نا ۔۔۔ وہ ضرور کہیں ادھر ادھر چھپ گئے ہوں گے ۔"

"تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ۔ ہم انہیں کہاں تلاش کریں ؟"

"تلاش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ جب وہ خطرے کو ٹلتا دیکھیں گے ، خود بخود آ جائیں گے ۔"

"آخر یہ کون لوگ ہیں ۔۔۔ تم نے بتایا نہیں ۔"

"ابا جان ، یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بیوی بچے ہیں ۔"

"کیا ؟" رحیم خان زور سے اچھلا ۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید کی آواز نے انہیں چونکا دیا ۔

"کیا وہ لوگ جا چکے ہیں ؟"

انہوں نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا ۔ انسپکٹر جمشید انہیں اب بھی نظر نہیں آئے تھے ۔ وہ بھونچکا رہ گئے ۔ آخر کریم خان نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا :

"کیا آپ لوگوں نے سلیمانی ٹوپیاں اوڑھ رکھی ہیں ۔"

"نہیں تو ۔۔۔ ہمارے پاس سلیمانی ٹوپیاں ہیں نہ الہ دین کا چراغ ۔۔۔" فاروق کی شریر آواز آئی ۔

"تو پھر ۔۔۔ گودام میں آپ کس جگہ ہیں ؟"

"آپ کے سر کے اوپر ۔" محمود کی آواز آئی ۔

اب انہوں نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا ۔ چھت کے ساتھ اس سے کچھ نیچے لکڑی کا ایک تختہ لگا ہوا تھا ۔ یہ تختہ چھوٹا موٹا سامان رکھنے کے لیے لگایا

گیا تھا ۔ اب جو انہوں نے اوپر دیکھا تو انسپکٹر جمشید ، بیگم جمشید ، محمود ، فاروق اور فرزانہ کو پیٹ کے بل اس طرح اس تختے پر لیٹے پایا کہ ان کے سر تختے سے باہر نکلے ہوئے تھے اور وہ انہیں دیکھ رہے تھے ۔ ان کے چہروں پر بھرپور مسکراہٹ تھی ۔

"اوہ ، تو آپ یہاں ہیں ۔"

"ہاں ۔۔۔" فرزانہ چہکی ۔

"لیکن آپ اوپر چڑھے کیسے ؟" رحیم خان نے حیران ہو کر پوچھا ۔

"بوروں کے ذریعے ۔۔۔ جب ہم اوپر پہنچ گئے تو میں نے بوروں کی قطار کو پیر مار کر گرا دیا تھا تاکہ تلاشی لینے والوں کا خیال تختے تک نہ جائے ۔۔۔ خیال جانا اس لیے بھی مشکل تھا کہ تختہ چھت سے تقریباً ملا ہوا ہے اور اس پر ہم صرف لیٹ سکتے ہیں ۔ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے ۔"

"بہت خوب ۔۔۔ تو اب آپ نیچے آ جائیں ، خطرہ ٹل چکا ہے ۔"

"ٹھیک ہے ۔"

سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نیچے لٹکے ۔ پھر انہوں نے ایک بورا گھسیٹ کر تختے کے نیچے کر دیا ۔ اس طرح دوسرے بھی نیچے اتر آئے ۔

"یہ کتنا حیرت انگیز اتفاق ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں میں اخبارات میں پڑھ پڑھ کر خوش ہوا کرتا تھا ، آج انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں ۔ کریم تو آپ لوگوں کے کارناموں کا دل سے شیدائی ہے ۔ جب بھی آپ کے متعلق اخبار میں کچھ چھپتا ہے ، یہ فوراً اخبار لا کر مجھے دیتا ہے اور ہر مرتبہ اخبار

پڑھ کر میں دعا مانگا کرتا تھا کہ کاش کبھی آپ لوگ شہید گنج میں بھی آ جائیں ۔۔۔ شاید خدا نے میری دعائیں سن لیں ۔" بوڑھے رحیم خان نے مسرت بھرے لہجے میں کہا ۔

"آپ کا شکریہ بابا ۔۔۔ لیکن حالات میری امیدوں سے زیادہ خوفناک اور بگڑے ہوئے ہیں ۔ میں جب یہاں آنے کا پروگرام بنا رہا تھا ۔ اس وقت میرا خیال صرف یہ تھا کہ بے تاج بادشاہ کوئی بہت ہی با اثر آدمی ہے لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ تو سچ مچ کا بادشاہ بنا ہوا ہے اور باقاعدہ حکم جاری کرتا ہے ۔۔۔ پولیس کا پورا محکمہ اس کی مٹھی میں ہے ۔ ایسے حالات میں کوئی کرے تو کیا کرے ؟"

"تو کیا آپ ہمت ہار رہے ہیں ؟"

"نہیں ۔۔۔ میں اس سے ٹکراؤں گا ۔ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میرا کیا انجام ہوتا ہے ۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ شہید گنج کے غریب اور مظلوم لوگوں کو اس ظالم سے نجات مل جائے ۔ ان کا اپنا کاروبار ہو ، وہ باعزت اور آزاد زندگی گزاریں ۔ پولیس ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمے دار ہو ۔ وہ صرف ایک آدمی کے احکامات کی تعمیل نہ کرتی پھرے ۔"

"اس دن کے انتظار میں تو میری آنکھیں ترس گئی ہیں ۔۔۔ خدا کرے ، وہ دن جلد آئے ۔" رحیم خان نے دعا مانگی ۔

"آمین ۔" کریم خان کے منہ سے نکلا ۔

"دوبارہ تلاشی کا پروگرام شروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے

چھ آدمیوں کے غائب ہونے کے متعلق معلوم ہو گیا ہے ۔" فرزانہ نے کہا ۔

"ہاں ! یہی بات ہے ۔۔۔ لیکن فکر نہ کرو ، بہت جلد انہیں چھ کے چھ آدمی مل جائیں گے اور ان کے ساتھ ہی ہمارا پیغام بھی انہیں ملے گا ۔"

"ابا جان ، آپ نے بے تاج بادشاہ کو کیا پیغام بھیجا ہے ؟"

"پیغام ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے اور انہیں پیغام کے بارے میں بتانے لگے ۔

* * *

تلاشی لینے والوں کی ایک ٹولی سڑک پر چلی جا رہی تھی ۔ وہ سب تھکن کے مارے چور تھے ۔ تمام رات انہیں انسپکٹر جمشید وغیرہ کو تلاش کرتے گزر گئی تھی لیکن ان کا کہیں دور دور تک پتا نہیں تھا ۔

"اب ہمارا کیا انجام ہوگا ۔" ایک نے کہا ۔

"ہوگا کیا ۔۔۔۔ بے موت مارے جائیں گے ۔ بے تاج بادشاہ کی بے رحمی تو مشہور ہے ۔ رحم کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں ۔" دوسرے نے کہا ۔

"مصیبت یہ ہے کہ کسی طور کی سزا ہو تو دیکھا بھی جائے ۔ بے تاج بادشاہ کی سزا کون برداشت کرے ۔ اس سے تو پولیس والے بھی کانپتے ہیں ۔ وہ سزا دینے پر آتا ہے تو پولیس والوں کو بھی نہیں چھوڑتا ۔" تیسرا فکر مند ہو کر بولا ۔

"پھر کیا کریں ۔۔۔ کیا فرار ہو جائیں ؟" دوسرا بولا ۔

"فرار ہو کر کہاں جائیں گے ، وہ ہمیں ڈھونڈ نکالے گا ۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ کس کس کو سزا دے گا ۔ جب سب لوگ ہی ناکام

ہو جائیں گے تو وہ کیا کرسکے گا؟" بوڑھے نے کہا۔

"بات تو یہ بھی ٹھیک ہے — تو پھر چلو — چل کر رپورٹ دیتے ہیں جو سب کے ساتھ ہوگا، وہی ہمارے ساتھ ہوگا۔"

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی ٹولی انہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔"

"یہ بھی......"

الفاظ درمیان ہی میں رہ گئے — سڑک کے بیچوں بیچ کوئی چیز ڈھیر کی شکل میں پڑی تھی۔

"ارے یہ کیا چیز ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"خدا جانے کیا بلا ہے۔"

"آؤ دیکھیں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ڈھیر کی طرف چلے گئے۔ پھر جونہی وہ نزدیک پہنچے، ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سڑک پر چھ آدمی بے ہوش پڑے تھے۔ کچھ اور قریب پہنچ کر تو وہ اچھل ہی پڑے۔

"ارے یہ تو دارا اور اس کے پانچ ساتھی ہیں، وہی جو گم ہوگئے تھے۔"

"ہاں، وہی ہیں — یہ انہیں کیا ہوا؟"

وہ ان پر جھک گئے اور ہلا جلا کر دیکھنے لگے، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

"یہ تو بالکل بے ہوش ہیں۔ اب ہم کیا کریں؟"

"ہوٹل جا کر گاڑی لے آتے ہیں۔ انہیں اس میں سوار کرکے لے جائیں گے۔ کم از کم یہ تو ہے۔ اب یہ ہوش میں آکر ان لوگوں کا پتا بتا دیں گے۔ چلو مشکل حل ہوئی۔" ایک نے خوش ہو کر کہا۔

"تجویز معقول ہے — تو پھر پانچ آدمی یہاں ٹھہریں اور پانچ گاڑی لینے کے لیے جائیں۔" ان کے سردار نے کہا۔

"بہت بہتر۔"

ان میں سے پانچ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ سردار کے منہ سے نکلا:

"ہائیں، یہ دارا کے سینے پر کاغذ سا کیا لگا ہوا ہے؟"

وہ واپس پلٹ آئے۔ دارا کے سینے کے ساتھ ایک کاغذ ٹانک دیا گیا تھا۔ تاروں کی روشنی میں یہ نہ دیکھ سکے کہ اس پر کچھ لکھا ہے۔

"تم میں سے کسی کے پاس ٹارچ ہوگی؟" سردار نے پوچھا۔

"جی ہاں، میرے پاس ہے۔" ایک نے کہا اور ٹارچ نکال کر دے دی۔ اس نے ٹارچ روشن کی اور کاغذ پر لکھی تحریر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا:

"ہم شہید گنج میں ہی موجود ہیں۔ تمہارے یہ چھ آدمی اتفاق سے ہم تک پہنچ گئے تھے۔ تمہارے پاس بطور تحفہ بھیجے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ تم ان سے مل کر خوش ہوگے — ہم انشاء اللہ بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات کریں گے۔ تم ہمیں سیاہ گولی کھلانا چاہتے تھے۔ میں نے تمہارے آدمیوں کو اس کے مقابلے میں سفید گولی کھلائی ہے — ہماری تلاش کا سلسلہ

بند کرکے اپنا بچاؤ کرنے کی فکر کرو۔ عنقریب تم اور تمہارے ساتھی ہماری زد میں ہوں گے اور اس روز تمہاری بادشاہت کا سورج غروب ہو جائے گا، انشاء اللہ۔

"ایک پردیسی"

سُرخ نشان

رقعہ پڑھ کر وہ دنگ رہ گئے اور سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کریں۔ بے تاج بادشاہ ان بے ہوش آدمیوں اور رقعے کو دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتا اور پھر جو بھی اس کے غصے کی زد میں آجاتا، اس کی شامت آجاتی لیکن رقعہ اور اپنے ساتھی اس کے سامنے پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

آخر انہوں نے ایک جیپ کا بندوبست کیا۔ بے ہوش ساتھیوں کو اس میں سوار کیا اور ہوٹل تھری سٹار کی طرف چل پڑے۔ رات کا آخری حصہ گزر چکا تھا اور دن کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ بے تاج بادشاہ نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سویا تھا۔ اُسے صبح کا انتظار تھا کیونکہ اس نے اپنے آدمیوں کو صبح تک کا وقت دیا تھا۔ آخر اس کا انتظار ختم ہوا اور پولیس کی ایک جیپ ہوٹل تھری سٹار کے سامنے رُکی۔ وہ دوڑتا ہوا دروازے سے باہر نکلا — اسے یقین تھا اس جیپ پر اس کا دشمن اور دشمن کے ساتھی لائے گئے ہوں گے۔

ادھر وہ جیپ کے قریب پہنچا، ادھر جیپ کا دروازہ کھلا۔ اس کے آدمیوں نے اسے جھک کر سلام کیا اور خاموشی سے اپنے بے ہوش ساتھیوں کو نکال نکال کر زمین پر لٹانے لگے۔

"یہ سب کیا ہے؟" بے تاج بادشاہ پوری قوت سے چلایا۔

"ہمارے وہ چھ ساتھی ...... جو غائب ہوگئے تھے ...... یہ ایک ٹرک پر بے ہوش پڑے ہیں۔"

"اوہ ......" وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"اور یہ رقعہ بھی ساتھ ملا ہے۔" ان میں سے ایک نے رقعہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

بے تاج بادشاہ نے رقعہ لیا اور پڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوتا چلا گیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ ہوٹل کے ملازمین جو اس سے تھوڑے فاصلے پر باادب کھڑے تھے، تھر تھر کانپنے لگے۔ آخر وہ رقعہ ختم کرنے کے بعد بولا:

"میں دنیا سے اس شخص کا نام و نشان تک مٹا دوں گا۔ ان لوگوں کو جلد از جلد ہوش میں لاؤ تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ مڑا اور اندر چلا گیا۔ بے ہوش آدمیوں کو ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ہوٹل کے ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے ان کا معائنہ کیا اور پھر ہر ایک کو ایک ایک انجکشن دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ بے تاج بادشاہ کو خبر کی گئی کہ وہ لوگ ہوش میں آگئے ہیں۔ اس نے انہیں اندر بلوا بھیجا۔

"تمہارے ساتھ کیا بیتی، تفصیل سے بیان کرو۔" بے تاج بادشاہ نے

انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

جواب میں وہ خاموش رہے اور کمرے کی دیواروں اور چھت کو گھورتے رہے۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں ...... کیا تم ہوش میں نہیں ہو؟" اس نے گرج کر کہا۔ اس مرتبہ وہ چونک اٹھے اور ان میں سے ایک نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہم ...... ہم ...... کون ہیں۔"

"کیا مطلب؟" بے تاج بادشاہ حیران رہ گیا۔

"ہم نہیں جانتے، ہم کون ہیں اور تم کون ہو؟"

"یہ کیا بک رہے ہو، میں تمہاری چمڑی ادھیڑ دوں گا۔"

"تم کون ہوتے ہو ہماری چمڑی ادھیڑنے والے۔ ہم تمہاری بوٹیاں نوچ لیں گے۔"

بے تاج بادشاہ کا چہرہ لال بھبوکا ہوگیا۔ اس نے جیب سے پستول نکال لیا اور ان کا نشانہ لے کر فائرنگ کرنا ہی چاہتا تھا کہ ایک دم اسے رقعے کے الفاظ یاد آگئے۔ اس کا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے جھک گیا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤ۔" اس نے حکم دیا۔

ڈاکٹر جو ان لوگوں کے ہوش میں آنے کے بعد چلا گیا تھا، دوبارہ بلایا گیا۔ اس نے ان چھ آدمیوں کا معائنہ کیا اور سیدھا ہوتے ہوئے بولا:

"انہیں کوئی دوائی استعمال کرائی گئی ہے۔ اس دوائی نے ان کی

یادداشت بالکل ختم کر دی ہے اور اب یہ اپنے بارے میں بھی نہیں بتا سکتے کہ یہ کون ہیں اور ان کے نام کیا ہیں۔"

"اوہ ......" بے تاج بادشاہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

* * *

ایک بوڑھا آدمی جس کی کمر جھکی ہوئی تھی، آنکھوں پر چشمہ تھا اور ہاتھ میں ایک چھڑی پکڑے ہوئے تھا۔ ہوٹل بحری شار میں داخل ہوا۔ اگر اس کے جسم پر امیرانہ لباس نہ ہوتا اور انگلیوں میں ہیروں کی انگوٹھیاں نہ ہوتیں تو شاید ہوٹل بحری شار کے بیرے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے لیکن اس کا ٹھاٹھ باٹھ بیروں کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے کافی تھا۔

"کیا یہاں کوئی کمرہ خالی مل سکتا ہے؟"

"جی ہاں، ابھی ایک دو دن پہلے ہی ایک کمرہ خالی ہوا ہے ...... وہ آپ کو مل سکتا ہے۔ آپ کاؤنٹر پر تشریف لے چلیے۔" ایک بیرے نے جھک کر کہا۔

"شکریہ بھائی ...... میرا سامان اس کمرے تک پہنچا دو ...... میں کاغذی کارروائی مکمل کر لیتا ہوں۔"

بوڑھے نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ فارم پُر کرنے کے بعد بوڑھے کاؤنٹر والے نے کہا:

"آپ کا کمرہ نمبر ایک سو بارہ ہے۔ بیرا آپ کو چھوڑ آتا ہے۔"

"شکریہ جناب۔"

کمرے میں آکر بوڑھے نے چاروں طرف دیکھا اور پھر اپنا سامان مناسب جگہوں پر رکھنے لگا۔ رات ہونے میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے۔ وہ کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بستر پر لیٹ گیا۔ جلد ہی وہ خراٹے لے رہا تھا۔ ابھی اسے خراٹے لیتے آدھ گھنٹہ ہی گزرا ہوگا کہ غسل خانے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی نے سر اندر کر کے کمرے میں جھانکا۔ خراٹوں کی آواز سن کر وہ مسکرایا۔ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا اور بوڑھے کے سامان کی تلاشی لینے لگا۔ ہر چیز کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اس نے تمام چیزیں اپنی جگہوں پر رکھیں اور غسل خانے کے راستے واپس چلا گیا۔

چند لمحے گزرنے پر بوڑھے نے آنکھیں کھول دیں۔ بستر سے اٹھ کر چند لمحے تک غسل خانے کے دروازے کو گھورتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا غسل خانے میں داخل ہوگیا۔ وہ اندر سے بالکل خالی تھا۔ غسل خانے میں ایک اور دروازہ بھی تھا جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا لیکن اس وقت اس دروازے کی چٹخنی اندر سے چڑھی ہوئی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کوئی بھی غسل خانے سے کمرے میں داخل ہوا تھا، وہ اس دروازے کے راستے نہیں آیا تھا اور نہ اس دروازے سے گیا تھا تو پھر ...... وہ کس راستے سے آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ غسل خانے میں کوئی خفیہ راستہ بھی موجود تھا جس کا بوڑھے کو علم نہیں تھا۔ اس نے چند لمحے تک ادھر ادھر دیکھا اور پھر خاموشی سے باہر آگیا۔ اس نے اپنا اٹیچی کیس کھولا۔ اس میں سے بٹن کی شکل کا

ایک آلہ نکالا۔ اس میں بجلی کے تار بھی لگے ہوئے تھے۔ پلگ لگا کر وہ آلہ
ہاتھ میں لیے دوبارہ غسل خانے میں آیا اور آلے کو مختلف سمتوں میں دیوار
سے لگا لگا کر دیکھنے لگا۔ کچھ دیر تک وہ اس کام میں محو رہا۔ پھر اس کے
چہرے پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اپنا کام بند کر کے واپس مڑ رہا تھا
کہ اچانک اس کی نظر فرش پر بنے ایک سرخ نشان پر پڑ گئی۔ یہ جگہ ابھری
ہوئی نہیں تھی لیکن پورے فرش پر کوئی اور سرخ نشان نہیں تھا۔ اس نے
جھک کر اسے غور سے دیکھا۔ ظاہر میں اگرچہ یہ فرش کا ہی حصہ دکھائی دیتا
تھا، لیکن غور سے دیکھنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا، یہ سرخ نشان فرش کا حصہ
نہیں ہے۔ اس پر جوش کی حالت طاری ہو گئی۔ آلہ فوراً اس نشان پر رکھ دیا
دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھا۔ آلے کے اندر پیلے رنگ کا ایک ننھا
سا بلب جلنے اور بجھنے لگا تھا۔ اس نے آلہ سرخ نشان پر سے ہٹا لیا اور غسل
خانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے کمرے میں آ گیا۔
عین اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔ وہ چونک اٹھا۔

موت کا کھیل

محمود، فاروق اور فرزانہ شہید گنج کی سڑکوں پر چکر لگا رہے تھے لیکن
بے تاج بادشاہ اور اس کے آدمی انہیں غور سے دیکھنے کے بعد بھی نہیں پہچان
سکتے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے تینوں کے چہروں میں زبردست تبدیلیاں کر دی
تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بے کھٹکے سڑکوں پر پھر رہے تھے۔
"ابا جان تھری اسٹار ہوٹل پہنچ چکے ہوں گے" محمود کہہ رہا تھا۔
"ہاں، لیکن کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔
"ہم خود بھی تو ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتے۔ اب تم اپنے آپ
ہی کو لے لو۔ میں نے تمہارے جیسی شکل و صورت کی لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔
میں حیران ہوں کہ تم کون ہو" فاروق نے مسکرا کر فرزانہ سے کہا۔
"ٹرٹر نہ کرو، تم بھی مجھے فاروق کی بجائے خاروق لگ رہے ہو" فرزانہ
نے جل کر کہا۔
"خاروق کیا ہوتا ہے۔ کسی لڑکے کا یہ نام کبھی سننے میں نہیں آیا" فاروق
بولا۔
"فضول باتیں کرنے کی بجائے کام کی بات کیوں نہ کی جائے" محمود نے
سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"باتیں نہ ہوئیں، دال ہو گئی" فرزانہ نے کہا۔
"ابا جان کا حکم یہ ہے کہ رات ہونے پر ہم پچھلی طرف سے تھری اسٹار ہوٹل
میں داخل ہونے کی کوشش کریں" محمود بولا۔
"ٹھیک ہے، اس میں فکر کرنے کی کونسی بات ہے۔ داخل ہو جائیں
گے ہوٹل میں" فاروق نے کہا۔
"لیکن جہاں تک میرا خیال ہے پچھلی طرف سے ہوٹل میں داخل ہونا آسان
بہت نہیں ہوگا" محمود نے فکرمند ہو کر کہا۔
"آسان ثابت ہو یا مشکل، یہ کام تو کرنا ہی ہے"
"آخر ہم اندر جا کر کریں گے کیا"
"ہوٹل میں گھومیں گے اور کیا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ابا جان نے یہ نہیں بتایا
کہ اندر جا کر کرنا کیا ہے" فاروق نے معقول بات کی۔
"لیکن اگر ہم گھومتے پھرتے ہوئے پکڑے گئے؟" فرزانہ نے سوال کیا۔
"تو بھی کوئی بات نہیں۔ ابا جان خود ہی سمجھ لیں گے" محمود نے کہا۔
"ہو سکتا ہے، انہیں سمجھنے میں دیر ہو جائے اور اتنی دیر میں ہمارا کباڑہ ہو
جائے" فاروق مسکرایا۔
"اگر تم ڈرتے ہو تو واپس چلے جاؤ اور امی جان کے پاس رہو" فرزانہ جل کر
بولی۔
"تم ہر وقت جلی بھنی کیوں رہتی ہو؟" فاروق نے پوچھا۔
"اور تم ہر وقت ادھر ادھر کی کیوں مارتے رہتے ہو" فرزانہ نے ترکی بہ ترکی

جواب دیا۔
"آخر ہم رات تک کا وقت کیسے گزاریں" محمود نے ان کی بات پر دھیان
دیے بغیر کہا۔
"ہاں، اس طرح گھومتے پھرتے تو ہم تھک جائیں گے"
"تو چلو کسی ہوٹل میں چل کر بیٹھتے ہیں" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔
"یہاں تھری اسٹار ہوٹل کے علاوہ کوئی ہوٹل کام کا ہے ہی نہیں" فاروق
بولا۔
"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ہم وہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔ جب وقت ہو
جائے گا تو اٹھ کر پچھلے حصے کی طرف چل پڑیں گے" محمود نے خوش ہو کر کہا۔
"ہو سکتا ہے، ابا جان ہمارے اس اقدام کو پسند نہ کریں، کیونکہ وہ بھی تو
وہیں موجود ہیں" فاروق نے اعتراض کیا۔
"انہوں نے ہمیں کب منع کیا ہے کہ ہم ہوٹل میں جا کر نہ بیٹھیں اور پھر وہ خود
اپنی شکل اور صورت بدل کر وہاں گئے ہوں گے۔ اس لیے کوئی خطرہ نہیں ہے"
"ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کس قسم کے میک اپ میں ہیں۔ ہم
انہیں پہچان بھی سکیں گے یا نہیں"
"میرا خیال ہے ہم انہیں نہیں پہچان سکتے"
"یہ تو اور بھی لطف دے گا" محمود نے ہنس کر کہا۔
"لیکن یہ تو سوچ لو کہ ہوٹل تھری اسٹار میں صرف چائے پینے کا بل بھی ہم
ادا کر سکیں گے یا نہیں؟" فاروق نے کہا۔

"فکر نہ کرو، ابّا جان نے مجھے نوٹوں کی پوری ایک گڈی دے رکھی ہے کہ شہر میں بے فکری سے گھوم پھر سکیں۔" محمود نے کہا۔
"ارے، یہ تو ہمیں معلوم ہی نہیں ـــــ تو پھر آؤ چلتے ہیں۔" آخر فاروق نے بھی منظوری دے دی۔
وہ تھری سٹار ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ گھومتے گھومتے وہ نہ جانے کس طرف نکل آئے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہوٹل کس طرف ہے۔ انہوں نے ایک رکشے سے پوچھا تو وہ انہیں گھورنے لگا۔ پھر پتا بتا کر چلتا بنا۔
وہ ہوٹل کے دروازے میں داخل ہوئے۔ اندر ہال کھچا کھچ بھرا تھا، صرف چند ایک میزیں خالی تھیں۔ وہ ایک خالی میز کی طرف بڑھنے لگے۔ اسی وقت ہال کے لاؤڈ سپیکر پر ایک آواز ابھری۔
"حضرات، آج آپ سب کو ایک دلچسپ کھیل دکھایا جائے گا اور اس کھیل کی کوئی الگ فیس نہیں لی جائے گی۔ کھیل چند منٹ تک پیش کیا جانے والا ہے۔"
یہ اعلان سن کر لوگ زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ تالیوں کی گونج میں انہوں نے دیکھا، ایک بوڑھا آدمی اوپر سے سیڑھیاں اترتا نیچے آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے کئی دوسرے مسافر بھی تھے۔

* * *

بوڑھے نے دروازہ کھول دیا۔ ایک بیرا دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔
"کیا بات ہے؟" بوڑھے نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"آج نیچے ہال میں ایک دلچسپ کھیل دکھایا جا رہا ہے۔ اس کھیل میں یہاں ٹھہرے ہوئے تمام مسافروں کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو تکلیف دی ہے۔"
"یہ کس قسم کا کھیل ہے؟" بوڑھے نے پوچھا۔
"اس کے بارے میں بے تاج بادشاہ کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں۔" بیرے نے کہا۔
"اچھی بات ہے، میں نیچے پہنچ جاؤں گا۔" بوڑھے نے کہا۔
"پروگرام ٹھیک پانچ بجے شروع ہوگا۔"
"ٹھیک ہے۔"
بیرے کے جاتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا اور جلدی جلدی کپڑے بدلنے لگا۔ پھر اس نے اپنی جیبوں میں کچھ چیزیں رکھیں اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس نے دروازے کا تالا لگایا اور نیچے اترنے لگا۔ عین اسی وقت لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا گیا۔
"حضرات، آج آپ سب کو ایک دلچسپ کھیل دکھایا جائے گا اور اس کھیل کی کوئی الگ فیس نہیں لی جائے گی۔ کھیل چند منٹ تک پیش کیا جانے والا ہے۔"
اعلان ختم ہونے تک بوڑھا سیڑھیاں اتر کر ہال میں پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ ہی رہا تھا کہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کی نظر تینوں بچوں پر جم کر رہ گئی تھی۔ تینوں اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ ان سے تھوڑے فاصلے

پر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے ان کی باتیں بخوبی سن سکتا تھا۔
"یہ بوڑھا ہمیں دیکھ کر چونکا کیوں تھا؟" فاروق دبی آواز میں کہہ رہا تھا مگر بوڑھے نے آواز پھر بھی سن لی اور مسکرانے لگا۔
"دیکھو، وہ مسکرا رہا ہے۔ اس نے ضرور تمہارا جملہ سن لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کے کان بہت تیز ہیں۔" محمود نے کہا۔
"تو کیا ہوا؟ کیا ہم اس کی برائی کر رہے ہیں؟" فرزانہ بولی۔
"پھر بھی احتیاط کرنی چاہیے۔"
"خیر چھوڑو ـــــ اور یہ نہ بھولو کہ ابا جان بھی یہیں کہیں ہوں گے۔" محمود نے کہا۔
"چھوڑوں کیا چیز؟" فاروق نے جلدی سے کہا۔
"نہ جانے وہ کیسا کھیل ہے جو یہ لوگ دکھانا چاہتے ہیں۔" محمود نے اس کے جملے پر دھیان دیے بغیر کہا۔
"ابھی پتا چل جائے گا۔"
وہ چائے کا آرڈر دے چکے تھے۔ انہوں نے دیکھا، بوڑھے نے بھی صرف چائے کا آرڈر دیا تھا اور پھر جونہی چائے ان کی میز پر رکھی گئی ـــــ ہال کی بتیاں بجھ گئیں، صرف سٹیج پر روشنی رہ گئی۔ سب لوگ سٹیج کی طرف دیکھنے لگے۔ ہال میں اب مکمل اندھیرا تھا اور وہ صرف نزدیک کے لوگوں کو دیکھ سکتے تھے، وہ بھی سایوں کی صورت میں۔
عین اسی وقت ایک بار پھر لاؤڈ سپیکر سے آواز گونجی:

"حضرات، کھیل شروع ہوتا ہے۔ اس قدر دلچسپ کھیل آپ نے اپنی زندگی میں بہت کم دیکھے ہوں گے۔ ہوٹل کے ایک ملازم نے بے تاج بادشاہ کے حکم کے مطابق عمل نہیں کیا تھا۔ اس وقت سے وہ قید میں ہے۔ اب اسے چھوڑا جا رہا ہے ـــــ اس کا مقابلہ ایک نئے نوجوان سے کرایا جائے گا۔ اگر یہ نوجوان جیت گیا تو پہلے ملازم کی جگہ اسے رکھ لیا جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ پہلے ملازم کو زندہ نہ چھوڑے اور اگر پہلے ملازم نے نئے نوجوان کو شکست دے دی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تو اس کا قصور معاف کر دیا جائے گا۔ یہ کھیل آپ کی خدمت میں تھری سٹار ہوٹل کے مالک بے تاج بادشاہ کی طرف سے بالکل مفت پیش کیا جا رہا ہے۔"
اعلان ختم ہو گیا۔ ہال میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ کھیل تو موت اور زندگی کا کھیل تھا۔ اسی وقت سٹیج کا ایک دروازہ کھلا اور ایک پتلا دبلا اور چھوٹے سے قد کا نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فوراً دوسرا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک لمبے قد کا نوجوان سٹیج پر آیا۔ دوسرا نوجوان پہلے کے مقابلے میں بہت طاقتور تھا اور اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ناچ رہی تھی، جیسے اپنے مدمقابل سے کہہ رہا ہو:
"تمہیں تو میں ایک ہاتھ سے مار ڈالوں گا۔"
پھر دونوں آمنے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ایک بار پھر لاؤڈ سپیکر پر آواز ابھری:

"چھوٹے قد کا نوجوان پہلا لازم ہے ـــ لمبے قد والا نیا امیدوار ہے ـــ اب مقابلہ شروع کیا جاتا ہے۔ شاباش ایک دوسرے پر جھپٹ پڑو۔ یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے، تمہاری ملازمت کا سوال ہے، ایک دوسرے کا بالکل لحاظ نہ کرنا۔ جس نے بھی لحاظ کیا وہ مارا جائے گا۔"

آواز کے بند ہوتے ہی وہ ایک دوسرے پر چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہو گئے۔

بوڑھا میدان میں

محمود، فاروق اور فرزانہ نے دیکھا کہ پتلا آدمی بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ انھوں نے سوچا، یہ تو چند منٹ بھی مقابلے پر نہیں ٹک سکے گا۔ اس کا صاف مطلب یہ بھی تھا کہ اس کی زندگی کے چند لمحے رہ گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ لمبا چوڑا نوجوان اس پر چھلانگ لگاتا، ہال میں ایک آواز گونجی:

"یہ ظلم ہے۔" آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

سب چونک کر دیکھنے لگے۔ اندھیرے کی وجہ سے لوگ یہ نہ جان سکے کہ آواز کس کے حلق سے نکلی تھی۔ ہال میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ لڑنے والے بھی اپنی اپنی جگہوں پر ٹھٹک کر رہ گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

"یہ کون بولا تھا؟" لاؤڈ سپیکر سے آواز گونجی۔ "ٹھہرو، میں خود آ رہا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ہال میں روشنی ہو گئی۔

اب انہیں پتا چلا کہ لاؤڈ سپیکر پر اس وقت تک بے تاج بادشاہ بولتا رہا تھا اور اب وہ خود آ رہا تھا۔

"لو بھئی، وہ آ رہا ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"تو آنے دو ـــ ہم اسے آنے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اس کی تو شامت آ گئی جو بولا تھا۔" فرزانہ نے رنجیدہ ہو کر کہا۔

"لیکن بولا کون تھا؟" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کم از کم میں تو ہرگز نہیں بولا تھا۔" فاروق نے کہا۔ محمود اور فرزانہ مسکرانے لگے۔

اسی وقت انہیں بے تاج بادشاہ آتا نظر آیا۔ سٹیج کے پاس پہنچ کر اس نے گرج دار آواز میں کہا:

"وہ کون ہے جسے یہ کھیل ظلم نظر آتا ہے ـــ کون بولا تھا؟"

دوسرے ہی لمحے محمود، فاروق اور فرزانہ بُری طرح چونکے۔ بوڑھا اپنی کرسی سے اُٹھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ طاری تھی۔

"م... م... میں بولا تھا۔" اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم جانتے ہو..... اس کی سزا کیا ہے؟"

"نہیں، مجھے نہیں معلوم۔" اس نے لرز کر کہا۔

"اس کی سزا یہ ہے کہ اب تم اس ہوٹل سے باہر نہیں جا سکو گے۔" بے تاج بادشاہ نے گرج دار آواز میں کہا۔

"اوہ، خدا کا شکر ہے، یہ تو کوئی سزا نہ ہوئی۔ میں بڑی خوشی سے ہوٹل میں ہی رہنے کے لیے تیار ہوں۔"

"ہا ہا ہا۔" بے تاج بادشاہ نے قہقہہ لگایا۔ "تم غلط سمجھے۔ تمہیں

یہاں قیدیوں کی طرح رہنا ہو گا۔ تم کبھی بھی ہوٹل سے باہر نہیں جاؤ گے۔"

"اوہ ـــ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ میرے ردی بچے کیا کریں گے۔ وہ تو بھوکوں مر جائیں گے۔"

"بکو مت، اب تم اس ہوٹل کے قیدی ہو۔"

"کیا کوئی اور صورت نہیں ہے؟"

"کوئی اور صورت ـــ چلو تم ہی بتاؤ ـــ تم کیا چاہتے ہو؟"

"اس پتلے دُبلے آدمی کی بجائے میں نئے آدمی سے مقابلہ کر لیتا ہوں۔" بوڑھے نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا کہا؟ تم مقابلہ کرو گے اور اس سے ـــ ضرور تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ـــ میں اپنے ہوش و حواس میں ہوں، لیکن تمہیں بھی میری ایک شرط ماننا ہو گی۔"

"اوہ، تو تم کوئی شرط بھی رکھتے ہو۔"

"بالکل! آخر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کا کوئی تو فائدہ ہو۔"

"تم کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، اس پتلے دُبلے نوجوان کو چھوڑ دیا جائے۔ اسے آزاد کر دیا جائے۔ اس کی جگہ میں خود کو پیش کرتا ہوں۔"

نہ صرف محمود، فاروق اور فرزانہ بلکہ ہال میں موجود تمام لوگ حیران رہ گئے۔

"مجھے منظور ہے، کرسی چھوڑ کر سٹیج پر آجاؤ۔ یہ نوجوان آزاد ہے — اگر مقابلہ دیکھنا چاہے تو تمہاری کرسی پر بیٹھ کر مقابلہ دیکھ سکتا ہے اس کے بعد یہ یہاں سے جا سکتا ہے۔ مقابلے کا نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے۔"

"بہت خوب — یہ ہوئی نا بہادروں والی بات۔" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔ لوگ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

پتلا دبلا نوجوان تو اسے اس انداز سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی دیوانہ ہو۔ آج کے دور میں کون کسی کے لیے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا آ پورے ہال کے لوگوں کو یقین ہو چلا تھا۔ بوڑھے کی موت نے اسے آواز دی ہے۔

بوڑھا اب سٹیج کا رخ کر رہا تھا اور پتلا دبلا نوجوان اس کی کرسی کی طرف آ رہا تھا۔ راستے میں دونوں ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ ایک لمحے کے لیے وہ رک گئے۔ پھر پتلا دبلا نوجوان بوڑھے سے لپٹ گیا اور چلا کر بولا:

"نہیں ..... نہیں، میں تمہاری زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ یہ مجھ سے نہیں دیکھا جائے گا۔"

"کوئی فکر نہ کرو — اللہ پر بھروسہ رکھو اور اگر مقابلہ دیکھنے کا حوصلہ نہ ہو تو باہر چلے جاؤ۔ بے تاج بادشاہ سب کے سامنے کہہ چکا ہے کہ تم آزاد ہو — جاؤ۔" بوڑھے نے اسے دوسری طرف دھکیل دیا اور

پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا ہوا کرسی کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس مقابلے کو دیکھے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ سب نے دیکھا..... اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

بوڑھا سٹیج پر پہنچ چکا تھا۔ لمبے تڑنگے نوجوان نے اسے مذاق اڑانے والے انداز میں ہنس کر دیکھا اور بولا:

"بوڑھے، کیوں اپنی جان کھوتا ہے۔ مجھے تمہارے بڑھاپے پر ترس آ رہا ہے۔"

"بھائی کیا کروں — اس غریب نوجوان کو مرتے دیکھنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"بہت اچھا، کس چیز سے مقابلہ کرو گے؟"

"کشتی لڑ لیتے ہیں۔" بوڑھے نے مسمسی صورت بنا کر کہا اور ہال میں قہقہے گونجنے لگے۔ بے تاج بادشاہ بھی بے تحاشا ہنس رہا تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں، لیکن نیچے گرا لینے کے بعد میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے ملازمت اسی شرط پر ملے گی۔"

"چلو، میری جان جانے دے۔ اگر تمہیں ملازمت ملتی ہے تو یہ کوئی برا سودا نہیں ہے۔"

ایک بار پھر سب نے بوڑھے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اب تو بہت سے لوگوں کو یقین ہو چلا تھا کہ بوڑھے کا ضرور دماغ خراب ہے۔

دونوں نے ہاتھ آگے بڑھائے۔ انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور زور

لگانے لگے۔ لمبے چوڑے نوجوان نے بوڑھے کو ایک زوردار جھٹکا مارا — دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بوڑھا تو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے دھوبی پاٹ مارنے کی کوشش کی لیکن بوڑھا اس کی کمر پر سے ہوتا ہوا چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اب تو سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مقابلہ بہت دلچسپ ہو گیا تھا۔ لمبا چوڑا نوجوان یہ دیکھ کر جھلا اٹھا تھا۔ اس نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے تھے۔ جب کچھ بس نہ چلا تو اچانک اس نے پنڈلی کے ساتھ لگا ہوا چاقو نکال لیا۔

"بہت خوب، یہ ہوئی نا بات۔" بے تاج بادشاہ نے کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ بے چین ہو گئے۔ بوڑھا چاقو کے وار سے بچنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اچانک چاقو کی نوک نے بوڑھے کے پیٹ کا رخ کیا۔ کئی ایک لوگوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں، لیکن بوڑھا تو اب بھی دور کھڑا تھا۔ لمبا چوڑا نوجوان اب آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اس نے تیزی سے چاقو والے ہاتھ کو گھمانا شروع کر دیا جیسے تلوار چلا رہا ہو اور آگے بڑھنے لگا۔ بوڑھا پیچھے ہٹنے لگا۔ اچانک اس کی کمر دیوار سے لگ گئی۔ اب پیچھے ہٹنے کا راستہ نہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر چاقو والے کے چہرے پر ایک وحشیانہ چمک لہرا گئی۔ ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے بوڑھے کے دل کا نشانہ لے کر وار کیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کا سانس سینے میں اٹک سا گیا۔

چاقو دیوار پر لگا۔ بوڑھا ایک دم نیچے بیٹھ گیا تھا۔ اس مرتبہ اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ بیٹھ گیا بلکہ نوجوان کی ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ وہ دھڑام سے فرش پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی بوڑھے نے اس کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا اور مروڑنے لگا۔ نوجوان کے منہ سے کراہیں نکلنے لگیں۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ چاقو کا پھل فرش سے ٹکرایا تھا۔ اس کی آواز پورے ہال میں سنی گئی۔ لوگ سانس روکے یہ ہولناک مقابلہ دیکھ رہے تھے۔ چاقو گرنے کے بعد بھی بوڑھے نے اس کا بازو نہیں چھوڑا۔ پھر اس نے اپنا بایاں ہاتھ کھڑا کر کے نوجوان کی گردن پر مارا۔ اس کے منہ سے ایک خوف ناک چیخ نکلی۔ اس کے ساتھ ہی بوڑھے نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ لکڑی کے ایک تختے کی طرح فرش پر آ رہا۔

* * *

چند لمحے تک ہال میں سکتے کا عالم طاری رہا۔ پھر ایک شخص کی تالیوں کی آواز نے سب کو جھنجھوڑ سا دیا۔ انہوں نے دیکھا، بے تاج بادشاہ تالیاں بجا رہا تھا۔

"بہت خوب — میں تمہیں اپنے پاس ملازم رکھنے کے لیے تیار ہوں۔ اس لمبے چوڑے گدھے کی جگہ — کیا یہ مر گیا ہے؟"

"نہیں، صرف یہ بے ہوش ہوا ہے۔ ویسے میں اگر ہاتھ زور سے رسید کر دیتا تو اس کا مر جانا بھی ممکن تھا۔"

"بہت خوب — تم تو کمال کے آدمی ہو — بولو، کیا میرے پاس

ملازمت کرو گے۔ میں تمہیں منہ مانگے پیسے دوں گا۔"

"کیوں نہیں..... گھر سے ملازمت کی تلاش ہی میں نکلا ہوں۔" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

"تو ٹھیک ہے ـــ میرے ساتھ آؤ ـــ شرائط طے کریں۔" بے تاج بادشاہ نے کہا، پھر کاؤنٹر والے کی طرف مڑ کر بولا:

"اس گدھے کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔"

"بہت بہتر جناب۔" اس نے جھک کر کہا اور دو بیروں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے بے ہوش نوجوان کو ہاتھوں اور پیروں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے ہوٹل سے باہر لے چلے۔ بوڑھا بے تاج بادشاہ کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔

"یار، یہ بوڑھا تو کمال کا آدمی نکلا۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، میں سوچ رہا ہوں۔ اباجان کہاں ہیں۔" فاروق بولا۔

"ضرور ہال میں ہی کہیں موجود ہوں گے۔"

"کھیل ختم ہو چکا ـــ اب ہم کیا کریں۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا کر سکتے ہیں۔ رات سے پہلے تو ہوٹل میں داخل ہونے کی کوشش کر نہیں سکتے۔" محمود بولا۔

"تو کیا رات تک یہیں بیٹھنے کا ارادہ ہے۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں، چلو ادھر ادھر گھومتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن جانے سے پہلے ہوٹل کا بل تو ادا کر دو۔" محمود مسکرایا۔

"نوٹوں کی گڈی تمہاری جیب میں ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

محمود نے بیرے کو اشارے سے قریب بلایا اور اسے بل لانے کو کہا۔ انہوں نے صرف تین کپ چائے پی تھی اور سوچ رہے تھے کہ دیکھیں کتنا بل آتا ہے۔

"کم از کم پندرہ روپے کا بل لے کر آئے گا۔" محمود نے کہا۔

"پھر تو ہم سستے چھوٹ جائیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"تو کیا تم چاہتے ہو پینتالیس روپے کا بل آئے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"میں تو چاہتا ہوں، ڈیڑھ روپے کا بل آئے۔ آخر ہمارے ہاں بھی تو آٹھ آنے کا کپ ملتا ہے۔"

اسی وقت بیرا بل لے آیا۔ انہوں نے بل پڑھا۔ اس پر صرف ستائیس روپے لکھے تھے۔

پائپ کے راستے

"میں نے تم سے زیادہ پھرتیلا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" بے تاج بادشاہ بوڑھے سے کہہ رہا تھا۔ دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ہوٹل میں پیش آنے والے واقعے کو دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ بے تاج بادشاہ نے دو گھنٹے آرام کیا تھا۔

"ذرّہ نوازی ہے آپ کی۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

"پہلے کیا کام کرتے رہے ہو اور کہاں؟" اس نے پوچھا۔

"دراصل میں سرکس میں ملازم تھا۔ تقریباً ساری عمر سرکس میں کرتب دکھاتا رہا۔ اس عمر میں آکر سرکس کے کام سے نفرت ہو گئی۔"

"ہوں، تبھی تم اس قدر پھرتیلے ہو ـــ میں بھی کہوں ـــ خیر میں تم سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔" بے تاج بادشاہ نے اپنے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک کام ـــ آپ نے تو کہا تھا کہ ملازم رکھنا چاہتے ہیں۔" بوڑھے کے لہجے میں بلا کی مایوسی تھی۔

"پہلے یہ کام کر دو ـــ پھر باقاعدہ ملازمت بھی مل جائے گی۔ جو کام میں تمہارے ذمّے لگا رہا ہوں، اگر تم نے کر دیا تو میں تمہیں دس ہزار روپے دوں گا، اور اس کے بعد ہر ماہ تین ہزار روپے تنخواہ دیا کروں گا۔ کام بالکل معمولی ہے۔"

بے تاج بادشاہ نے کہا۔

"خیر بتائیے ـــ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔"

"پہلے تو یہ بتاؤ..... تمہارا نام کیا ہے؟"

"شیر علی۔" بوڑھا بولا۔

"ہاں تو شیر علی، شہید گنج میں آج کل ایک نوجوان جس کا نام رحمت علی ہے، کہیں چھپا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی اور تین بچے بھی ہیں۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ انہیں تلاش کرو اور جہاں کہیں بھی وہ نظر آ جائیں، مجھے خبر کر دو ـــ یا پھر خود ہی ان پر قابو پا کر میرے پاس لے آؤ۔ کیا خیال ہے، کیا تم یہ کام کر سکو گے؟"

"یہ بھی کوئی کام ہے ـــ میں چٹکیوں میں کر دوں گا ـــ لیکن سوال یہ ہے کہ میں انہیں پہچانوں گا کیسے؟"

"میں تمہیں اس کی تصویر دکھا دیتا ہوں۔ ہمارے ہوٹل میں آنے والے ہر قسم کے آدمیوں کی تصویر ضرور اتاری جاتی ہے۔ اس کام پر میں نے ایک آدمی مقرر کر رکھا ہے۔"

"بہت خوب ـــ پھر تو میری تصویر بھی اتر چکی ہو گی۔" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں ٹھہرو ـــ میں تمہیں ان کی تصویریں دکھا دوں۔"

یہ کہہ کر اس نے کرسی سے اٹھ کر ایک الماری کھولی اور اس میں سے نیلے رنگ کا ایک لفافہ نکالا۔ لفافہ اس نے میز پر الٹ دیا، اس میں

چند تصویریں تھیں۔ بے تاج بادشاہ نے ان میں سے تین تصویریں نکال کر شیر علی کی طرف بڑھا دیں۔

"یہ ہے وہ آدمی ——— یہ اس کی بیوی اور یہ بچے ہیں۔"

"ہوں ——— لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ شہید گنج میں ہی موجود ہوں گے، ہو سکتا ہے یہ فرار ہو چکے ہوں۔"

"نہیں ——— شہید گنج سے باہر جانے والے ہر راستے کی میرے آدمی نگرانی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بچ کر نہیں جا سکیں گے۔" بے تاج بادشاہ نے کہا۔

"بہت اچھا ——— میں چند دن تک انہیں تلاش کر لوں گا اور آپ کو اطلاع دے دوں گا۔" شیر علی بولا۔

"یا ایک طریقہ اور بھی ہے .... لیکن نہیں .... بس یہی مناسب ہے گا۔" بے تاج بادشاہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"تو کیا اب مجھے اجازت ہے۔" شیر علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں ٹھہرے ہوتے ہو نا؟" بے تاج بادشاہ نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ یہ شخص رحمت علی بھی اسی کمرے میں ٹھہرا تھا۔"

"اوہ ———" شیر علی کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ پھر کہنے لگا:

"آپ کو اس سے کیا دشمنی ہے؟"

"اس نے میرے ہوٹل کے ہال میں پستول نکال لیا تھا۔"

"ہوں ——— آپ بے فکر رہیں۔ اب یہ مجھ سے بچ کر نہیں جائے گا۔"

"بہت خوب، میں یہی چاہتا ہوں ——— اگر تم نے یہ کام انجام دے دیا تو سمجھو ملازمت پکی۔"

"شکریہ جناب ——— اب میں جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے، تم بدستور کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں ٹھہرے رہو۔ اب تم سے کوئی کرایہ نہیں لیا جائے گا۔" بے تاج بادشاہ نے فیاضانہ لہجے میں کہا۔

"ایک بار پھر شکریہ۔"

بوڑھا شیر علی اٹھا ہی تھا کہ دھم کی آواز آئی۔ دونوں چونک اٹھے۔

* * *

ستائیس روپے کا بل دیکھ کر انہیں غصّہ تو بہت آیا لیکن وہ دیکھ ہی چکے تھے کہ بل ادا نہ کرنے والوں کے ساتھ یہاں کس قسم کا سلوک کیا جاتا ہے، اس لیے انہوں نے خاموشی سے بل ادا کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بار پھر وہ سڑکوں کا چکر کاٹ رہے تھے۔

"اس وقت صرف نو بجے ہیں جب کہ ہمیں گیارہ بجے کے قریب اندر داخل ہونے کی کوشش کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، دو گھنٹے گزارنا کون سا مشکل کام ہے۔" فاروق بولا۔

"تو کیا ہم دو گھنٹے تک سڑکوں کی خاک چھانتے رہیں گے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"سڑکوں پر خاک کہاں ہے، صاف ستھری سڑکیں ہیں۔" فاروق نے تیزی سے کہا۔

"میں نے محاورہ استعمال کیا ہے۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"اب مجھے کیا معلوم ——— کہ تم محاورۃً بات کر رہی ہو۔ خیر ہم کسی پارک میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں، کیوں کیا خیال ہے؟"

"نیک خیال ہے۔" محمود مسکرایا۔

"یاد رہے، ہم صرف پونے گیارہ بجے تک وہاں بیٹھیں گے۔" فاروق نے گویا انہیں خبردار کیا۔

"یاد رہے گا۔" فرزانہ نے ایک دم کہا۔

کچھ دُور چلنے کے بعد انہیں پارک کی بجائے کھیل کا ایک میدان نظر آیا۔

"اب ہم پارک کہاں تلاش کرتے پھریں۔ اسی کو پارک سمجھ لیتے ہیں۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فاروق نے کہا۔

"تو میں بھی اعتراض کر کے کیا کروں گی۔" فرزانہ مسکرائی۔

اور تینوں گھاس پر بیٹھ گئے۔ گھاس کے میدان میں ہوا کچھ ٹھنڈی تھی۔ انہیں سردی محسوس ہونے لگی۔

"یہاں تو سردی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کہیں تو چین سے بیٹھ جاؤ۔ ہوٹل سے اٹھے تھے تو تم نے سڑکوں پر چکر لگانے پر اعتراض کیا تھا، اب یہاں آئے ہیں تو سردی لگنے لگی۔ تم اتنی نازک کب سے ہو گئی ہو۔" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

"جب سے شہید گنج آئی ہوں۔" فرزانہ مسکرائی اور محمود کی ہنسی نکل گئی۔

اسی وقت انہوں نے دُور سے دو آدمیوں کو آتے دیکھا۔ یوں تو اور لوگ بھی گھاس پر چہل قدمی کر رہے تھے لیکن ان کی طرف کوئی نہیں آ رہا تھا۔ یہ دونوں آدمی سیدھے ان کی طرف آ رہے تھے۔

"ہوشیار ——— میں خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"کبھی خطرے کی خوشبو بھی سونگھ لیا کرو۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہر وقت بڑے بُرے منہ بنانے والے کا منہ بُرا بن جاتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"پہلے اپنا منہ تو دیکھو لو آئینے میں۔" فاروق نے تڑسے جواب دیا۔

"گھاس کے اس میدان میں آئینہ کہاں سے لاؤں۔" فرزانہ بھی کب چپ رہنے والی تھی۔

"یہ جو دو آدمی آ رہے ہیں، ان سے لے لو۔" فاروق جھٹ سے بولا۔

"کیا یہ دونوں گھر سے آئینے لے کر آئے ہوں گے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا ——— تم خود پوچھ لو۔"

"اچھی بات ہے ——— انہیں قریب آنے دو۔" فرزانہ بولی۔

"کیا پاگل پن ہے ——— کہیں سچ مچ آئینے کے متعلق نہ پوچھ بیٹھنا۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں، اس میں کیا حرج ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"وہ لوگ یقیناً پاگل خیال کریں گے۔"

"کرنے دو، کیا ان کے خیال کرنے سے ہم پاگل ہو جائیں گے۔"

"دھت تیرے کی!" محمود نے تنگ آ کر ران پر ہاتھ مارا۔
اتنی دیر میں دونوں آدمی قریب آ چکے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کر
رہے تھے۔ ان کے جسموں پر قیمتی لباس تھا۔ میدان میں چلنے والی روشنی
میں انہوں نے دیکھا۔ دونوں پولیس کی وردی پہنے ہوئے تھے اور بڑے
آفیسر دکھائی دے رہے تھے۔
وہ بالکل ان کے قریب سے گزرے لیکن ان کی طرف آنکھ اٹھا
کر بھی نہ دیکھا۔ اچانک کوئی چیز فاروق کے ہاتھ سے ٹکرائی۔ اسی وقت
پاس سے گزرنے والوں میں سے ایک کے منہ سے نکلا:
"ارے، میری گولی!"
"گولی؟" دوسرے نے گھبرا کر پوچھا۔
"ہاں گولی ۔۔۔ میرے ہاتھ میں تھی، نکل کر یہیں کہیں گر گئی!"
"اوہ ۔۔۔ یہ تو بہت بُرا ہوا!" دوسرے کے منہ سے نکلا۔
"بہت بُرے سے بھی بُرا۔ اب گھاس میں گولی ملنا ناممکن ہے" کہا
پہلا بولا۔
"پھر بھی ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے!" دوسرے نے کہا۔
"ٹھیک ہے، گولی یہیں کہیں چند گز کے فاصلے تک گری ہے!
"آؤ اسے ڈھونڈیں!"
دونوں گھاس پر اکڑوں بیٹھ گئے ۔۔۔ اور ہاتھوں سے گھاس کو
ٹٹولنے لگے۔ ٹٹولتے ٹٹولتے وہ ان کے قریب آ گئے۔

"بچو، ہماری یہاں گولی گر گئی ہے ۔۔۔ کیا تم تلاش کرنے میں ہماری
مدد کرو گے؟" پہلے نے ان سے کہا۔
"گولی کیسی جناب!" محمود نے پوچھا۔ ویسے وہ ان کی باتیں سُن
چکے تھے۔
"کالے سے رنگ کی گولی ہے، مٹر کے دانے کے برابر!"
"مگر وہ کس چیز کی گولی ہے!" فاروق نے حیرت کا اظہار کیا۔
"دوائی کی!" دوسرے نے جلدی سے کہا۔
"آپ ایک دوائی کی گولی کے لیے اس قدر کیوں پریشان ہو رہے
ہو۔ بازار سے جا کر دوسری خرید لو۔" فرزانہ نے انہیں معقول مشورہ دیا۔
"تم نہیں جانتے، وہ گولی یہاں نہیں ملے گی۔ دوسرے ملک سے
منگائی گئی ہے!" پہلا بولا۔
"اوہ، تو یہ بات ہے ۔۔۔ آؤ بھئی، ان کی مدد کریں!" فرزانہ نے
کہا۔
وہ تینوں بھی اکڑوں بیٹھ گئے اور گھاس میں ہاتھ مارنے لگے۔ پھر
تقریباً آدھ گھنٹہ گزر گیا۔ وہ تلاش کرتے کرتے تھک گئے۔
"اُف خدا، گولی تو یہاں کہیں بھی نہیں ہے، اب کیا ہو گا!" پہلے
نے پریشان ہو کر کہا۔
"آؤ ہوٹل چلیں!" دوسرا بولا۔
"م ..... مگر ....." پہلے نے کچھ کہنا چاہا، مگر دوسرا اس کی بات

کاٹ کر بولا۔
"ہشت ..... سمجھا کرو ۔۔۔ آؤ میرے ساتھ ..... اچھا بچو،
بہت بہت شکریہ!"
دونوں تیزی سے اُٹھے، تقریباً دوڑتے ہوئے چلے گئے۔
"یہ معاملہ سمجھ میں نہیں آیا!" فرزانہ بولی۔
"اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے!" محمود نے
کر کہا۔
"دونوں صرف ایک گولی کے لیے پریشان ہو رہے تھے!" وہ بولی
"ہاں، کیا تم نے سُنا نہیں تھا کہ ہمارے ملک میں وہ گولی کہیں
ملتی!" محمود نے آنکھیں نکالیں۔
"پھر بھی ..... صرف ایک گولی کے لیے اتنی پریشانی اور بھاگ دوڑ
کچھ سمجھ میں نہیں آتی!"
"تمہاری سمجھ پر تو پڑ گئے ہیں پتھر!" فاروق مسکرایا۔
"بس ایک تم ہی تو سمجھ دار رہ گئے ہو!" فرزانہ تلملا اٹھی۔
"اس میں کیا شک ہے ۔۔۔ یہ دیکھو ۔۔۔ میرے ہاتھ میں کیا ہے"
فاروق نے مذاق اُڑانے والے لہجے میں کہا۔
"ظاہر ہے ..... ہاتھی تو ہو گا نہیں!" فرزانہ چہکی۔
"غور سے دیکھو!" فاروق پھر بولا۔
فرزانہ نے اس کی ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک سیاہ رنگ کی

ننھی سی گولی موجود تھی۔
"معلوم ہوتا ہے، افیون کی گولی ہے۔ کیوں محمود؟" فرزانہ نے کہا
اور محمود کی طرف دیکھا، لیکن وہ تو گولی کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا
تھا۔ دفعتہً اس کے منہ سے کھوئے کھوئے انداز میں نکلا:
"یہ ..... یہ ..... تو ..... اسی قسم کی گولی ہے ..... جیسی وہ ابا جان
کو کھلا رہے تھے!"
"کیا؟" دونوں نے چلا کر کہا۔
"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں!" محمود نے پُر جوش لہجے میں کہا۔
"تب پھر اسے سنبھال کر رکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اہم چیز ہو!"
"بے فکر رہو۔ اب یہ میرے پاس محفوظ ہے!"
"آخر یہ کیا چیز ہے ۔۔۔ اور وہ دونوں اس کے لیے کیوں مرے جا
رہے تھے!" فرزانہ کے لہجے میں ابھی تک حیرت تھی۔
"یہ تو کوئی ماہر ہی بتا سکتا ہے۔ اس گولی کا جائزہ لیا جائے گا!"
"ہمیں جلد از جلد یہ گولی ابا جان تک پہنچا دینی چاہیے!" فاروق
کو اچانک خیال آیا۔
"لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ نہ جانے وہ کہاں ہوں گے اور کس
قسم کے میک اپ میں ہوں گے!" محمود بولا۔
"ہو سکتا ہے وہ ہم سے ملنے کے لیے بابا رحیم خان کے گھر آئیں!"
"صبح سے پہلے نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ جانتے ہیں، آج رات ہم

ہوٹل کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔"

آخر پونے گیارہ بجے وہ ہوٹل کی سمت چل پڑے۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ ہوٹل کے پچھلی طرف پہنچ چکے تھے۔ ہوٹل ابھی تک کھلا تھا لیکن پچھلے حصے میں آس پاس کوئی شخص نہیں تھا۔ انہوں نے ہر ہر طرح سے جائزہ لیا اور آخر گندے پانی کے ایک لوہے کے پائپ کے نیچے کھڑے ہو گئے۔

"اس پائپ کے علاوہ اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

"پائپ ایک کمرے کی کھڑکی کے بالکل پاس سے ہو کر گزرتا ہے — کیوں نہ ہم چھت تک جانے کی بجائے اس کمرے میں اتر جائیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، کمرے میں کوئی ہو — اس لیے چھت پر اترنا بہتر رہے گا۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"ہم کمرے میں جھانک کر دیکھ لیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"اور اگر کمرے کا دروازہ دوسری طرف سے بند ہوا تو کیا کریں گے؟" فرزانہ نے تململا کر کہا۔

"اس صورت میں واپس پائپ پر آ جائیں گے اور اوپر چلیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"چلو بابا جو تمہارے جی میں آئے کر لینا۔ اب وقت ضائع نہ کرو۔"

سب سے پہلے فاروق آگے بڑھا۔ اس نے جوتے اتار کر زمین پر ہی چھوڑ دیے اور بندروں کی سی تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ وہ اس کام کا ماہر تھا۔

"یہ فاروق ہے...... یا بندر۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"مجھے تو بندر ہی لگتا ہے۔" فرزانہ نے بھی شوخ لہجے میں کہا۔

"میں سب سُن رہا ہوں۔" اوپر سے فاروق بولا اور دونوں ہنس پڑے۔

صرف دو منٹ میں فاروق کھڑکی تک پہنچ گیا۔ اس نے پائپ پر سے ایک ہاتھ ہٹایا اور کھڑکی کی چوکھٹ پکڑ لی۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں، اور وہ کھلی ہوئی بھی تھی۔ آخر اس نے پیروں کو پائپ کے ساتھ چپٹا لیا اور دوسرا ہاتھ بھی پائپ سے ہٹا کر چوکھٹ پر جما لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پیر پائپ پر سے ہٹا لیے۔ اب وہ چوکھٹ پکڑے لٹک رہا تھا۔ پھر وہ بازوؤں کے سہارے اُچکا اور کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ کھڑکی فرش سے کافی اونچی تھی۔ اس لیے اس نے چھلانگ لگا دی۔ وہ دھم سے فرش پر گرا۔

گڑبڑ

"ارے، یہ آواز کیسی تھی؟" بے تاج بادشاہ نے چونک کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، کوئی چلتے چلتے گرا ہے۔" بوڑھے شیر علی نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں...... دیکھنا چاہیے — کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" یہ کہہ کر بے تاج بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اس نے زور سے گھنٹی بجائی۔ فوراً ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔

"اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر تمام کمروں کی تلاشی لو۔ مجھے ہوٹل میں کہیں گڑبڑ لگتی ہے — بلکہ یہاں سے کسی نزدیکی کمرے میں ضرور کوئی ہے۔"

"بہت بہتر — ہم سب سے پہلے دائیں بائیں اور نزدیک کے کمرے دیکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

نوجوان تیزی سے مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد شیر علی بولا:

"اب تم بھی جا کر آرام کرو۔"

"جی بہت اچھا۔"

بوڑھے شیر علی نے کہا اور وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ برآمدے میں ہل چل سی مچ چکی تھی۔ بے تاج بادشاہ کے ملازم ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے پچھلی طرف کھلنے والی کھڑکی کھولی اور نیچے جھانک کر دیکھا۔

تاروں بھرے آسمان کے نیچے اسے ایک لڑکا پائپ کے ذریعے اوپر چڑھتا نظر آیا۔ دوسرا نیچے کھڑا اوپر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پائپ کے ساتھ کھلنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر باہر نکل آیا۔ اب اس کا رُخ اس کمرے کی طرف تھا، جس کی کھڑکی پائپ کے ساتھ تھی۔ وہ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا — تلاشی لینے والے شاید اس کمرے کو باہر سے بند پا کر آگے بڑھ گئے تھے۔ بوڑھے نے آگے بڑھ کر دروازے کے ہینڈل کو پکڑ کر زور سے دھکیلا، دو تین مرتبہ جھٹکے دیے لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اسے تلاشی لینے والے ملے۔

"کیا ماجرا ہے — کیا کچھ پتا چلا؟"

"یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر بے تاج بادشاہ کو کسی گڑبڑ کا خیال کس طرح آیا تھا؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔

"کسی کے کودنے کی آواز آئی تھی۔" شیر علی مسکرا کر بولا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے، کوئی بلی کودی ہو۔"
"بالکل ہو سکتا ہے —— لیکن آدمی اور بلی کے کودنے کی آواز میں بہ
فرق ہوتا ہے۔ بلی کودتی ہے تو آواز آتی ہی نہیں۔" شیر علی برابر بول
جا رہا تھا۔

"اوہ ہاں —— یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیوں نہ ہم چل کر بے تاج بادشا
سے کہہ دیں، ہوٹل میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"پہلے اچھی طرح اطمینان تو کر لو۔" اس نے کہا۔

"مگر..... تم کون ہو؟" ایک تلاشی لینے والے نے چونک کر کہا۔
شاید اسے اچانک خیال آیا تھا۔

"بے تاج بادشاہ کا نیا ملازم —— اس نے مجھے آج ہی ملازم رکھا
کیا تم آج ہال میں نہیں تھے جب وہ کھیل دکھایا گیا تھا؟"

"نہیں، ہم کمروں کی نگرانی پر مامور ہیں۔"

"بہت اچھا —— اگر میرے بارے میں کوئی شک ہے تو جا کر بے
بادشاہ سے پوچھ لو۔ میرا نام شیر علی ہے۔ ویسے جس وقت اس نے
کی آواز سنی، اس وقت میں اس کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔"

"اوہ، پھر تو معاف کر دیں۔" وہ گھبرا کر بولا۔

"کوئی بات نہیں، سب ٹھیک ہے۔" شیر علی نے کہا اور اپنے کم
کی طرف چل پڑا۔ اچانک وہ چونک اٹھا۔ وہ آدمی ہال کی طرف جا رہے

* * *

فاروق چونک اٹھا۔ کمرے میں کودنے کے بعد وہ کھڑکی کے ذریعے نیچے محمود کو پائپ کے ذریعے آتا دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک اس نے دروازے کی طرف دھیان نہیں دیا تھا کہ اچانک کسی نے دروازے کو زور سے دھکیلا۔ پھر دو تین جھٹکے بھی لگے۔ وہ گھبرا گیا —— کیا کوئی دروازہ کھول رہا ہے۔ جلدی سے دروازے پر آیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ اس کمرے میں اترنا بے فائدہ ثابت ہوا تھا اور پھر دروازے کے باہر نہ جانے کون تھا، وہ کسی بھی لمحے اندر آ سکتا تھا۔ وہ دوبارہ کھڑکی کے پاس آیا۔ نیچے جھک کر دیکھا۔ محمود نزدیک پہنچ چکا تھا۔

"اوپر چلے چلو۔"

"کیوں؟" محمود نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہے، اس لیے چھت پر ہی جانا ہوگا۔"

"وحشت تیرے کی —— تم کیا کرو گے۔"

"میں بھی اوپر آ رہا ہوں۔"

محمود کھڑکی کے پاس سے ہوتا ہوا اوپر چڑھتا چلا گیا۔ فرزانہ اس سے کچھ فاصلے پر تھی۔ جب وہ بھی اوپر چلی گئی تو فاروق اچک کر کھڑکی پر چڑھا، اپنے پاؤں چوکھٹ پر ٹکائے اور پہلے ایک ہاتھ پائپ پر ڈالا۔ پھر دوسرا —— اس کے بعد اس نے پاؤں بھی چوکھٹ سے اٹھا کر پائپ پر جما دیے۔ اس نے نیچے جھک کر دیکھا، کافی اونچائی تھی۔ اگر نیچے گر جاتا تو ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔

پانچ منٹ بعد تینوں ہوٹل کی چھت پر کھڑے گہرے گہرے سانس لے
رہے تھے۔ چھت کے ساتھ ہی ایک زینہ تھا۔ زینے کا دروازہ بند نہیں
سانس درست کرنے کے بعد وہ سیڑھیاں اترنے لگے۔ وہ پوری احتیاط
سے کام لے رہے تھے، یہاں تک کہ ان کے پاؤں کی آواز تک نہیں نکل
رہی تھی۔ سیڑھیاں ختم ہوتے ہی انہیں ایک چھوٹا سا برآمدہ نظر آیا۔ وہ
دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس منزل پر ہوٹل کا صرف ایک کمرہ تھا۔ اس کمر
تالا لگا ہوا تھا اور تالا لگا ہونے کے باوجود ایک پہرے دار سنگین لگی رائفل
کندھے پر رکھے سٹول پر بیٹھا تھا۔ اس کمرے کے ساتھ نیچے اترنے ک
دوسرا زینہ تھا۔ اس زینے پر پہنچنے کے لیے انہیں پہرے دار کے سامنے
گزرنا پڑتا اور وہ پکڑے جاتے۔ دوسری طرف یہ بات انہیں حیرت میں
رہی تھی کہ جب دروازے پر تالا لگا ہوا ہے تو پھر رائفل والے پہرے دار
کی کیا ضرورت ہے۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچے..... کہ ضرور اس کمرے
کوئی بہت ہی زیادہ اہم چیز موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے دل میں
خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اس کمرے کو اندر سے دیکھیں۔

محمود نے اشارہ کیا کہ واپس اوپر چلو۔ تینوں واپس چھت پر آئے اور
فاروق نے دبی آواز میں کہا:

"کمرے کو اندر سے دیکھنا ضروری ہے۔"

"لیکن کیسے؟" فرزانہ نے سوال کیا۔

"یہ تم بتاؤ —— ترکیبیں سوچنا تمہارا کام ہے۔"

"اچھی بات ہے —— میں ابھی سوچ کر بتاتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا اور واقعی سوچ میں گم ہو گئی۔

"کب تک سوچ لو گی؟" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"چھت پر کوئی اینٹ تلاش کرو۔" آخر فرزانہ بولی۔

"کیا اس غریب کا سر پھاڑنے کا ارادہ ہے؟" فاروق نے گھبرا کر کہا

"نہیں، صرف بے ہوش کریں گے۔"

محمود اور فاروق چھت پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے چلے گئے لیکن کوئی اینٹ نظر نہ آئی۔ انہوں نے آ کر فرزانہ کو بتایا:

"چھت پر کوئی اینٹ نہیں ہے —— کوئی اور ترکیب سوچو۔"

"میں ترکیبیں سوچنے کی مشین نہیں ہوں۔" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"تو ہم بھی اینٹیں بنانے کی مشین نہیں ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فرزانہ مسکرائی اور ایک بار پھر سوچنے لگی۔

"یار فاروق، معلوم ہوتا ہے، فرزانہ کی عقل جواب دے گئی ہے۔ اب ہم دونوں کو ہی کوئی ترکیب سوچنا ہوگی۔"

"ٹھیک ہے بھائی —— آؤ سوچیں۔"

دونوں بھی سر جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ آخر فرزانہ ہی بولی:

"سنو، اس وقت نہ تو ہمارے پاس کوئی اینٹ ہے نہ پتھر اور کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے..... میرا مطلب ہے، اگر کھلونا نما ہتھیار ہیں بھی تو ان سے آواز پیدا ہوگی۔ ان سب باتوں کے علاوہ ایک چیز ہمارے پاس

ہے...... ہم اس کے ذریعے پہرے دار کو بے ہوش کر سکتے ہیں۔"

"اوہ وہ کیا چیز ہے؟" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"عقل!" فرزانہ مسکرائی۔

"لاحول ولا قوۃ، بھلا یہ کیا بات ہوئی۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تو کیا یہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ خدا کے بندے عقل سے تو بہت بڑے بڑے کام لیے جاتے ہیں۔"

"تو بتاؤ ـــــ اپنی عقل استعمال کرو نا ـــــ ہم یہاں کیا کریں۔"

"ناراض نہ ہو۔ میرے پاس میری گڑیا موجود ہے اور اس موقع پر صرف وہی استعمال ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی آواز نہیں نکلتی۔"

"وہ مارا۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"ابھی کہاں مارا ـــــ اب سنو۔ میں فرش پر رینگتی ہوئی پہرے دار کے پاس جاؤں گی اور لیٹے لیٹے گڑیا اس کے منہ کے پاس لے جا کر دبا دوں گی ـــــ تم دونوں مجھ سے نزدیک ہی رہنا، کہیں وہ مجھے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ نہ لے۔"

"زبردست ترکیب ہے۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ ترکیبیں سوچنا تم پر ختم ہے۔"

"بس بس ـــــ صرف کام کی بات کرو۔"

"تو پھر چلو، دیر نہ کرو، روانہ ہو جاؤ۔"

فرزانہ نے اپنی جیب سے ایک ننھی سی گڑیا نکالی اور زینے کی طرف

بڑھی۔ سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ پیٹ کے بل فرش پر لیٹ گئی اور رینگنے لگی۔ پہرے دار اس سے زیادہ دور نہیں تھا، لیکن اس کا منہ نیچے جانے والے زینے کی طرف تھا۔ اس لیے فرزانہ بغیر کسی دقت کے اس کے نزدیک پہنچ گئی۔ پھر اس نے اپنا دھڑ تھوڑا سا اوپر اٹھایا اور گڑیا اونچی کر کے اس کا پیٹ دبا دیا ـــــ ساتھ ہی اس نے اپنا سانس روک لیا، ورنہ خود بھی بے ہوش ہو جاتی۔

پہرے دار کے منہ سے ہلکی سی ایک کراہ نکلی اور دوسرے ہی لمحے وہ سٹول سے فرش پر آ رہا۔

گولیوں کا کمرہ

"آ جاؤ ـــــ یہ بے چارہ فرش پر آرام کر رہا ہے۔" فرزانہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

فوراً ہی محمود اور فاروق وہاں پہنچ گئے۔ محمود نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چابیوں کا ایک گچھا نکال لیا۔ اس نے باری باری تالے میں چابیاں لگانا شروع کیں۔ یہ بہت ہی خاص قسم کی چابیاں تھیں۔ آخر ایک چابی تالے کے سوراخ میں فٹ آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے تالا ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اس میں ہر طرف گتے کے ڈبے رکھے تھے ان ڈبوں کے سوا کمرے میں اور کوئی چیز نہ تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"ارے، یہ کیا ہے؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"خدا جانے کیا بلا ہے۔ کوئی ڈبا کھول کر دیکھو۔" محمود بولا۔

"کہیں اندر سے سانپ نہ نکل آئے۔" فاروق نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

"ہشت ـــــ بھلا یہاں سانپ کا کیا کام یہ ہوٹل ہے کسی سپیرے

کا محل نہیں۔" فرزانہ نے اسے جھڑک دیا۔

"سپیروں کے پاس محل نہیں، جھونپڑے ہوتے ہیں۔" فاروق نے بھی فوراً جواب دیا۔

"اچھا بس...... باتیں نہ بناؤ ـــــ ڈبا کھول کر دیکھو۔" محمود نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی زہریلی چیز ہو۔" فاروق ڈبے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یار تم اتنا ڈرتے کیوں ہو۔"

"تو تم خود کیوں نہیں کھول لیتے...... ویسے میں سمجھ گیا ہوں کہ ان میں کیا چیز ہے اور ابا جان نے ضرور ہمیں اس کمرے کی تلاشی لینے کے لیے ہی یہاں بھیجا تھا۔" فاروق نے کہا۔

"کیا کہا ـــــ تم سمجھ گئے ہو ـــــ اچھا بھلا بتاؤ تو ـــــ اس میں کیا چیز ہے۔"

"ان ڈبوں میں ضرور اسلحہ ہے...... پستول، کارتوس وغیرہ۔" فاروق نے کہا۔

"یہاں اسلحے کا کیا کام ـــــ کیا یہ لوگ ملک کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"کیا خبر ـــــ یہی بات ہو۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"ویسے تمہارے خیال میں ان ڈبوں میں کیا چیز ہو سکتی ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہوٹل میں استعمال ہونے والی کوئی چیز۔" محمود بولا۔

"اس کے لیے اس قدر انتظام کی کیا ضرورت پیش آگئی کہ تالا بھی لگا ہوا ہے اور رائفل لیے پہرے دار بھی بیٹھا ہے۔"

"ہو سکتا ہے، کوئی بہت ہی قیمتی چیز ہو۔" فاروق نے کہا۔

"آخر تم لوگ ڈبا کھول کر کیوں نہیں دیکھ لیتے۔" فرزانہ نے جھنجلا کر کہا۔

"ہم ڈر رہے ہیں کہ کوئی خطرناک چیز نہ ہو ان میں۔"

"تو ہٹ جاؤ ـــ میں کھولتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس میں ہٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم جس ڈبے کے پاس کھڑی ہو اسی کو کھول لو۔" فاروق مسکرایا۔

"تم کسی وقت تو مذاق سے باز آ جایا کرو۔"

"بہت اچھا ـــ اب نہیں کروں گا۔ جب مذاق کی ضرورت محسوس ہو، بتا دینا۔" فاروق بھلا کب باز رہنے والا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے آج ساری رات اسی طرح کھڑے کھڑے گزر جائے گی، یہاں تک کہ پہرے دار ہوش میں آجائے گا اور رائفل ہم پر تان لے گا۔ اس وقت تم یہ سوچو گے کہ ہم کہاں اور کس حال میں ہیں۔" فرزانہ نے غصے میں آکر کہا۔

"غصہ مت کرو ـــ غصہ اچھی چیز نہیں ہے۔ عقل کو مار دیتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اس وقت تو تمہاری عقل ماری گئی ہے۔"

"یار فاروق ...... واقعی ہم بہت وقت ضائع کر چکے ہیں، اب ڈبا کھول کر دیکھ ہی لو۔" محمود بولا۔

"تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ ہم بہت وقت ضائع کر چکے ہیں۔" فاروق نے کہا اور ایک نگینے کے ڈبے کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ وہ چونک اٹھے۔ اس ڈبے میں چھوٹی چھوٹی ٹین کی ڈبیاں تھیں جو تقریباً سو کے قریب تھیں۔

"ارے، ان ڈبوں میں تو صرف ڈبیاں ہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"اور ان ڈبیوں میں کیا ہے؟" محمود مسکرایا۔

"تم تو ایسے مسکرا رہے ہو جیسے تم جان گئے ہو کہ ان میں کیا ہے۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، میں جان گیا ہوں۔ کیونکہ اس قسم کی ڈبیا پہلے دیکھ چکا ہوں۔"

"ارے تو بتاؤ نا۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"خود ہی ڈبیا کھول کر دیکھ لو۔"

فاروق نے ٹین کی ایک ڈبیا اٹھا لی اور اسے کھول کر دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اور فرزانہ اچھل پڑے۔ اس ڈبیا میں ایک سیاہ گولی موجود تھی۔ اس نے ڈبیا کو ہتھیلی پر الٹ دیا۔ گولی اب اس کے ہاتھ میں تھی۔

* * *

"اف خدا...... اتنی سیاہ گولیاں، یہ کیا ماجرا ہے۔" فرزانہ نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ گتے کے ہر ڈبے میں سو گولیاں موجود ہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، اور کمرے میں لاکھوں ڈبے موجود ہیں۔ پورا کمرہ ڈبوں سے بھرا ہوا ہے۔" محمود بولا۔

"تو پھر چلو ـــ یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔" فاروق نے ایک دم کہا۔

"کیا مطلب؟" دونوں چونکے۔

"ہاں ـــ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ـــ ابا جان ضرور صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں گے کہ سیاہ گولیاں کہاں رکھی جاتی ہیں۔"

"لیکن اب ہم جائیں کہاں ـــ یہاں سے واپسی کے متعلق تو تم نے ابھی تک سوچا ہی نہیں۔" فرزانہ کا لہجہ فکرمند تھا۔

"ہاں واقعی ـــ پائپ کے ذریعے چڑھنا تو آسان ہے، لیکن اترنا بہت مشکل ہے۔" محمود بولا۔

"پھر اب کیا کریں۔" فاروق نے کہا۔

"چلو فرزانہ: جلدی سے بتاؤ اب کیا کریں۔" محمود بولا۔

"یہ بڑی مصیبت ہے، جہاں گاڑی اٹکتی ہے، فرزانہ کی شامت آجاتی ہے۔ میں لڑکی ہوں کوئی ترکیبیں بتانے کی مشین نہیں ہوں۔"

اس نے جھلا کر کہا:

"اس وقت تو تمہیں کچھ سوچنا ہی پڑے گا، ورنہ پہرے دار ہوش میں آگیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"اچھا بابا سوچتی ہوں ـــ ہاں آگئی ترکیب ذہن میں ـــ ہم یوں کیوں نہ کریں کہ کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں چھپ جائیں اور صبح سویرے یہاں سے نکل چلیں۔"

"کمرہ نمبر ایک سو بارہ ـــ یعنی جس میں ہم ٹھہرے تھے۔ تمہارا کیا خیال ہے ـــ کیا وہ خالی ہوگا۔" محمود سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں، اس ہوٹل میں بہت کم لوگ ٹھہرتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن اس چوکیدار کا کیا کریں گے۔ جو کسی جگہ بیٹھ کر سارے برآمدے کی نگرانی کرتا ہے۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"وہ اس وقت کہاں جاگ رہا ہوگا اور اگر جاگ بھی رہا ہوگا اور ہمیں ٹوک بیٹھا تو اس گڑیا سے پھر کام لے لوں گی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ترکیب بالکل معقول ہے، کیوں محمود؟" فاروق بولا۔

"بالکل ـــ اس وقت اس سے اچھی ترکیب تو خود فرزانہ بھی نہیں سوچ سکتی۔ ہماری تو بات ہی اور ہے۔" محمود مسکرایا۔

"تو پھر آؤ۔"

تینوں بے ہوش پہرے دار کے پاس سے ہوتے ہوئے زینے تک پہنچے اور سیڑھیاں اترنے لگے۔ اب وہ دوسری منزل پر تھے اور اس

جگہ سے کمرہ نمبر ایک سو بارہ تک پہنچنا مشکل نہیں تھا۔ دروازے کے قریب پہنچتے ہی وہ حیران رہ گئے۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ محمود نے اندر جھانک کر دیکھا، کمرہ اندر سے خالی تھا۔ انھوں نے اللہ کا نام لیا اور اندر داخل ہو گئے۔

ڈبیا خالی تھی

جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ نیچے سے جنگو سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آیا۔ پھر وہ تیسری منزل کی سیڑھیاں چڑھنے لگا لیکن زینے پر پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ پہرے دار فرش پر پڑا سو رہا تھا۔ جنگو کو ایک دم غصہ آ گیا۔ اس نے ایک زور دار ٹھوکر پہرے دار کی پسلیوں میں رسید کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس پر اس نے تین چار ٹھوکریں اور ماریں۔ اس نے پھر بھی آنکھیں نہ کھولیں تو وہ بہت حیران ہوا۔ گھبرا کر کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ کمرے کا تالا لگا ہوا تھا۔

اب وہ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گیا اور لگا پہرے دار کو جھنجوڑنے۔ آخر دس منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد کہیں جا کر اس نے آنکھیں کھولیں اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر جنگو پر نظر پڑتے ہی بوکھلا گیا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"تم جانتے ہو، ڈیوٹی کے دوران سونے والوں کو بے تاج بادشاہ کیا سزا دیتا ہے؟" جنگو نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... لیکن ..... میں ..... میں سو تو نہیں رہا تھا۔"

"تو کیا فرش پر پڑے جاگ رہے تھے؟"

"نہیں، خدا جانے مجھے کیا ہوا تھا۔ اچانک میرا سر چکرایا تھا اور میں دھڑام سے گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔"

"بہانے مت بناؤ، بیوقوف۔" جنگو نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"خدا کی قسم ..... میں سچ کہہ رہا ہوں۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

"تو — تو — کیا یہاں کوئی دشمن آ گیا تھا جس نے تمھیں کسی طرح بے ہوش کر دیا؟" جنگو نے گھبرا کر کہا۔

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا، لیکن میں اس طرح بیٹھے بیٹھے بے ہوش بھی نہیں ہو سکتا تھا۔"

"ہوں، اگر کوئی یہاں آیا تھا تو کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہونا چاہیے، تالا ٹوٹا ہوا ہونا چاہیے۔ لیکن تالا لگا ہوا ہے۔ ضرور تمھیں اونگھ آ گئی ہو گی اور تم سزا کے خوف سے جھوٹ بولنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"اچھا خیر، پہلے میں اندر کا جائزہ لے لوں۔"

یہ کہتے ہوئے جنگو نے جیب سے تالے کی چابی نکالی اور تالا کھول ڈالا۔ اندر تمام ڈبے جوں کے توں موجود تھے۔

"لیکن اس وقت یہاں آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" پہرے دار نے پوچھا۔

"ایک صاحب کی گولی گم ہو گئی ہے۔ اسے ایک گولی دینی ہے۔"

"لیکن یہ تو بے تاج بادشاہ کے اصول کے خلاف ہے۔"

"افسر بہت بڑا ہے اور پھر اس نے بے تاج بادشاہ کے لیے بہت کچھ کیا ہے، اس لیے دو گھنٹے تک منتیں کروانے کے بعد آخر وہ گولی دینے پر آمادہ ہو ہی گیا۔" جنگو نے کمرے کو بغور گھورتے ہوئے کہا۔

"کمرے کے تمام ڈبے جوں کے توں موجود ہیں۔ اگر کوئی یہاں آیا تھا تو اس سے تالا ہی نہیں کھلا ہو گا اور وہ تمھیں بے ہوش چھوڑ کر چلا گیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون تھا۔"

"میں سچ کہتا ہوں، یہاں کوئی نہیں آیا تھا — میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔"

"تو پھر..... تم بے ہوش کس طرح ہو گئے؟"

"ضرور مجھے چکر ہی آیا ہو گا۔ خدا کے لیے اس واقعے کا ذکر بے تاج بادشاہ سے نہ کرنا۔"

"خیر، اس مرتبہ نہیں کروں گا، لیکن اگر تم پھر اس طرح بے ہوش ہوئے تو فوراً یہ بات اس کے علم میں لاؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

جنگو نے ایک ڈبا کھول کر اس میں سے ٹین کی ایک ڈبیا نکالی اور بند کر کے باہر نکل آیا۔ اس نے دروازے کو تالا لگایا اور واپس مڑ گیا۔ بے تاج بادشاہ کے کمرے میں اس وقت وہی دونوں نوجوان افسر بیٹھے تھے جو محمود، فاروق اور فرزانہ کو کھیل کے میدان میں ملے تھے۔ اچانک

جگو اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ٹین کی چھوٹی سی ڈبیا تھی۔ بے تاج بادشاہ سونے کے لیے جا چکا تھا۔ ڈبیا دیکھ کر اس افسر کی جان میں جان آئی جس کی گولی گر گئی تھی۔

"بہت بہت شکریہ" اس کے منہ سے نکلا۔ ساتھ ہی اس نے گولی لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

جگو نے ڈبیا کھولی اور پھر دھک سے رہ گیا۔ ڈبیا خالی تھی۔ اس میں گولی نہیں تھی۔

* * *

"کمال ہے، کمرے کا دروازہ کھلا ہے؛ حالانکہ بند ہونا چاہیے تھا" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کہیں یہ کمرہ کسی نے کرائے پر نہ لے لیا ہو" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"تب تو اسے کمرے میں ہونا چاہیے تھا۔ رات کے بارہ تو بجنے والے ہیں" فاروق نے خیال پیش کیا۔

"ہو سکتا ہے، وہ غسل خانے میں ہو"

"اب جو بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔ تم پہلے باہر والا دروازہ بند کر دو، کہیں ہوٹل کا کوئی ملازم نہ ادھر آ نکلے" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا اور محمود نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"کیا میں غسل خانہ دیکھوں؟" فاروق نے پوچھا۔ محمود نے سر ہلا کر اجازت دے دی۔

فاروق دبے پاؤں غسل خانے کی طرف بڑھا۔ غسل خانے کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا، جس کا مطلب تھا اندر کوئی نہیں ہے، پھر بھی اس نے پورا دروازہ کھول کر اطمینان کر لیا۔

"اندر کوئی نہیں ہے" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم رات یہاں آرام سے گزار سکتے ہیں" محمود بولا۔

"بالکل" فرزانہ چہکی۔

"لیکن کمرے کا دروازہ کھلا ہوا کیوں تھا؟"

"ہو سکتا ہے، کمرہ خالی ہونے کے بعد یہ لوگ اسے تالا لگاتے ہی نہ ہوں"

"ہوں، اس کمرے کی ایک الماری کو تالا ضرور لگا ہوا ہے" فرزانہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے، اس میں ہوٹل والوں کی کچھ ضروری چیزیں ہوں" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن جب ہم یہاں آ کر ٹھہرے تھے تو اس وقت تو اس الماری کو تالا لگا ہوا نہیں تھا" فرزانہ بولی۔

"تم تو بال کی کھال اتارتی ہو" فاروق جل گیا۔

"شکر کرو، تمہاری تو نہیں اتارتی" فرزانہ مسکرائی۔

"آج کا دن بھی عجیب ہے۔ پہلے ہمارے ہاتھ ایک گولی آئی، اس

اس کے بعد دوسری" فاروق بولا۔

"کیا کہا؟ کیا تم وہ گولی ساتھ لیتے آئے ہو" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں نمونے کے طور پر لے آیا ہوں — ابا جان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے"

"اور خالی ڈبیا وہیں رکھ آئے ہو" فرزانہ چونکی۔

"ہاں، اور کیا کرتا — اسے ساتھ لے آتا" فاروق نے لاپروائی سے کہا۔

"کہیں وہ لوگ ہوشیار نہ ہو جائیں" محمود نے فکرمند ہو کر کہا۔

"کیوں بھلا — کیا یہ ضروری ہے کہ وہ وہی ڈبا کھولیں اور اس ڈبے میں سے گولی نکالیں۔ وہاں تو ہزاروں ڈبے موجود ہیں" فاروق نے جواب دیا۔

"خیر چھوڑو، ویسے ہمیں احتیاط کرنی چاہیے تھی" فرزانہ نے کہا۔

"ابا جان کو بھی تو کچھ دکھانا تھا" فاروق بولا۔

"سوال یہ ہے کہ یہ گولیاں ہیں کیا بلا" فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"جواب یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم" فاروق مسکرایا۔

"دھت تیرے کی — رات کے بارہ بج رہے ہیں اور اسے مذاق سوجھ رہی ہے" محمود نے ٹانگ پر ہاتھ مارا۔

"تو پھر — اس وقت کیا کریں" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"سو جانا چاہیے" محمود بولا۔

"کمرے میں ایک ہی پلنگ ہے" فاروق جلدی سے بولا۔

"تو کیا ہوا، مفت میں پلنگ اور کمرہ مل گیا؛ ورنہ یہاں تو ایک رات کے پانچ سو روپے دینے پڑتے ہیں۔ آؤ اس پر گزارہ کر لیں گے"

تینوں لیٹے ہی تھے کہ غسل خانے میں قدموں کی آہٹ ہوئی۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ فاروق ابھی چند منٹ پہلے ہی تو غسل خانے کا جائزہ لے چکا تھا۔ پھر اب یہ آہٹ کیسی ہوئی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے، پھر پلنگ سے اتر آئے اور غسل خانے کے دروازے کے پاس دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے، تاکہ اندر سے نکلنے والے کی پہلی نظر ان پر نہ پڑے۔

بوڑھے کی آمد

"ارے، گولی کہاں گئی ؟" جنگو کے منہ سے نکلا۔
"کیا مطلب ---- کیا ڈبیا میں گولی نہیں ہے ؟" اس افسر نے پوچھا۔
"نہیں، شاید راستے میں کہیں گر گئی ہے ۔"
"پھر اب کیا ہوگا ؟"
"فکر نہ کریں، میں ابھی دوسری لے آتا ہوں ۔ لیکن آپ اس واقعے کا ذکر بے تاج بادشاہ سے نہیں کریں گے ۔"
"نہیں کروں گا ۔" اس نے وعدہ کیا۔
"آپ یہیں ٹھہریں، میں ابھی آتا ہوں ۔"
"اچھی بات ہے ۔"
جنگو تقریباً دوڑتا ہوا اوپر پہنچا ---- پہرے دار سٹول پر ہوشیار بیٹھا تھا۔ جنگو کو دوڑتے دیکھ کر حیران رہ گیا اور گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔
"کیا بات ہے جناب، خیر تو ہے ؟"
"تو تم چکر آنے کی وجہ سے بے ہوش ہوئے تھے ۔" اس نے اُسے گھور کر کہا۔
"ہاں، بالکل ۔" پہرے دار نے جلدی سے کہا۔

"لیکن ---- یہ ڈبیا..... جو میں لے گیا تھا، خالی ملی ہے ۔" جنگو بولا۔
"خالی ملی ہے ---- لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔"
"اب میں کیا جانوں ۔"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس ڈبیا میں گولی رکھی ہی نہ گئی ہو ۔" پہرے دار نے خیال ظاہر کیا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ آج تک ایسا نہیں ہوا ۔ خیر اس پر بعد میں فیصلہ ہوگا ۔ اس وقت تو مجھے اس افسر کو گولی دینا ہے ۔ تم پوری طرح چوکس بیٹھو ۔ جو کوئی بھی ادھر آئے، اسے فوراً گولی مار دو ۔" جنگو نے اسے حکم دیا۔
"بہت اچھا ۔ ایسا ہی ہوگا ۔"
جنگو نے ایک بار پھر دروازہ کھولا اور اسی ڈبے میں سے دوسری ڈبیا نکالی ۔ اس مرتبہ اس نے کمرے میں ہی ڈبیا کھول کر دیکھ لی ۔ اس میں گولی موجود تھی ۔ باہر نکل کر اس نے تالا لگایا اور واپس اسی کمرے میں آیا۔
"یہ لیں گولی ۔" اس نے ڈبیا میں سے گولی نکال کر اس افسر کی طرف بڑھا دی۔
"شکریہ ۔"
"آپ کی گولی کس جگہ گری تھی ؟"
"چرچ گراؤنڈ میں ---- ہم سیر کر رہے تھے ۔" اس نے کہا۔
"تو گولی ہاتھ میں لے کر سیر کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔" جنگو نے کہا۔

"بس جیب میں ہاتھ چلا گیا تھا، بے خیالی میں گولی ہاتھ میں لے لی ۔ پھر ہاتھ جیب سے باہر آ گیا ۔ اتفاق کی بات کہ وہ ہاتھ سے نکل کر گھاس میں گر گئی ۔"
"آئندہ آپ اس طرح گولی ہاتھ میں لے کر نہ چلیے گا ۔" جنگو نے کہا۔
"اچھی بات ہے ۔"
"ویسے آپ نے گولی تلاش کرنے کی کوشش تو کی ہوگی ۔"
"آدھ گھنٹے تک تلاش کرتے رہے ۔"
"ہوں، خیر کوئی بات نہیں ۔ اب آپ جا سکتے ہیں ۔" جنگو خالی ڈبیا ہاتھ میں نچاتے ہوئے بولا۔
دونوں اٹھ کھڑے ہوئے ۔ ان کے جانے کے بعد جنگو نے کمرے کے فرش میں بنے ایک سرخ نشان پر پاؤں کا انگوٹھا رکھ کر دبا ڈالا ۔ دوسرے ہی لمحے کمرے کی ایک دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہوا ۔ دروازے کے نمودار ہونے میں کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی ۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اندر داخل ہو گیا ۔ فوراً ہی دروازہ بند ہو گیا اور اب دیوار میں کوئی ایسا نشان نہ تھا جس سے پتا چلتا کہ اس جگہ کوئی دروازہ موجود ہے ۔

* * *

غسل خانے کا دروازہ کھلا اور بوڑھا شیر علی کمرے میں داخل ہوا ۔ پھر فوراً ہی چونک کر پلٹا ۔ اسے ایک دم کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ حیران رہ گئے کہ یک دم اسے کیسے پتا چل گیا ۔ جوں ہی

شیر علی کی نظر ان پر پڑی، اس کے منہ سے نکلا :
"اوہ، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ۔" آواز بہت موٹی تھی۔
"کیا آپ کو کچھ اور دیکھنے کی امید تھی ۔" فاروق نے سوال کیا۔
"میں...... کچھ اور سمجھا تھا ۔"
"لیکن کچھ دیر پہلے جب ہم نے غسل خانے میں جھانکا تھا، تو آپ اندر نہیں تھے ۔ اب کہاں سے آ گئے ۔ کیا آپ نے غسل خانے میں سلیمانی ٹوپی پہن رکھی تھی ۔ فاروق کی آنکھوں میں واقعی حیرت تھی۔
"نہیں تو ---- ایسی تو کوئی بات نہیں تھی ۔"
"تو پھر آپ ہمیں نظر کیوں نہیں آئے ؟"
"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ---- ہاں، یہ تو بتاؤ، تم کون ہو اور یہاں میرے کمرے میں کیوں نظر آ رہے ہو ۔ کیا میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں ۔"
"پولیس یہاں کہاں آئے گی ۔ یہ بے تاج بادشاہ کا ہوٹل ہے ۔"
"لڑکے، تم نے بتایا نہیں ---- میں نے کیا پوچھا ہے ۔"
"یہ ایک لمبی داستان ہے ۔" آخر محمود نے کہا۔
"کتنی لمبی ---- کیا اس کے سنانے میں ساری رات گزر جائے گی ۔" بوڑھے نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔
"دراصل ہم اس ہوٹل میں پھنس گئے ہیں ۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے ۔ رات گزارنا چاہتے ہیں، صبح سویرے چلے جائیں گے ۔ ویسے آپ بہت بہادر آدمی ہیں ۔ ہم ہوٹل کے ہال میں آپ کو لڑتے دیکھ چکے ہیں ۔"

"ادھر اُدھر کی نہ ہانکو، کام کی بات کرو۔" شیر علی نے انہیں ڈانٹا۔

"جی بہت اچھا ــــ آپ جو کہیں، وہی بات شروع کر دیتے ہیں ۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"تم ہوٹل میں کیا کرنے گئے تھے ؟" شیر علی نے پوچھا۔

"جی ایک بہت ہی ضروری کام تھا ۔" محمود بولا۔

"وہ کیا کام تھا ؟" اس نے پوچھا۔

"جی بس ایک کام تھا۔ ہمارے والد صاحب نے اسے کرنے کا حکم دیا تھا..... سو ہم ہوٹل میں داخل ہو گئے ۔" فاروق نے ڈرے ڈرے لہجے میں بتایا۔

"تم نے کام کی تفصیل نہیں بتائی ۔" بوڑھے نے اسے گھورا۔

"جی..... وہ..... ہم کام کی تفصیل نہیں بتا سکتے ۔" محمود ہکلایا۔

"کیوں ؟"

"اس لیے کہ والد صاحب ناراض ہوں گے اور ہمیں ان کی ناراضگی سے بہت ڈر لگتا ہے ۔"

"اس کا مطلب ہے، تم مجھ سے خوفزدہ نہیں ہو۔" بوڑھے نے تیز آواز میں کہا۔

"جی نہیں، آپ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ اچھے نہ ہوتے تو اس نوجوان کا مقابلہ کیوں کرتے ۔"

"پھر وہی ــــ کام کی بات کرو۔" بوڑھے شیر علی نے انہیں ڈانٹا۔

"جی..... اتنی دیر سے کام ہی کی تو بات کر رہے ہیں۔ درمیان میں ایک آدھ......" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو ؟" اس نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے، ایک آدھ بات منہ سے اِدھر اُدھر کی بھی نکل جاتی ہے ۔"

"اچھا خیر ــــ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم رات یہاں گزارنا چاہتے ہو ۔"

"جی..... جی ہاں ۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"میں کیوں نہ تمہیں بے تاج بادشاہ کے حوالے کر دوں ۔" شیر علی نے پہلی مرتبہ مسکرا کر کہا۔

"ارے باپ رے، پھر تو ہم بے موت مر جائیں گے ۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"مجھے تم پر ترس آتا ہے ــــ اس لیے میری طرف سے اجازت ہے، اس پلنگ پر سو جاؤ ۔"

"اور آپ کہاں سوئیں گے ؟" فاروق نے پوچھا۔

"میرا فکر نہ کرو، میں فرش پر سو جاؤں گا ۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ پلنگ پر سو جائیں..... ہم زمین پر سو رہتے ہیں ۔"

"نہیں بھئی، تم میرے مہمان ہو ۔"

"لیکن بن بلائے ۔" فاروق نے جھٹ کہا اور شیر علی ہنسنے لگا۔

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو کمرے سے باہر نکال دوں گا ۔"

"پھر تو مجبوری ہے ۔" فرزانہ نے روتی آواز میں کہا۔

"اور ہاں..... ایک بات تو رہ ہی گئی ۔" اچانک بوڑھے نے کہا۔

"جی..... وہ کیا ؟"

"تمہاری جیبوں میں کوئی ہتھیار تو نہیں ہے ۔"

"جی ہتھیار..... بھلا ہمارے پاس ہتھیار کا کیا کام ۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"میں تمہاری تلاشی لینا چاہتا ہوں ۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے ؟"

"دیکھو، تم میرے مہمان ہو ــــ نہایت شرافت سے اپنی جیبوں کی تمام چیزیں نکال نکال کر میز پر رکھ دو ۔"

"جی اچھا، جیسے آپ کی مرضی ــــ" محمود نے کہا۔

اور تینوں اپنی جیبوں میں سے چیزیں نکالنے لگے۔ فرزانہ کی گڑیا کو دیکھ کر شیر علی بولا:

"تم اتنی بڑی ہو گئی ہو اور ابھی تک گڑیوں سے کھیلتی ہو ۔"

"دراصل مجھے اس گڑیا سے بہت محبت ہے ۔"

"اور تم ٹافیاں کھاتے ہو ــــ دانت خراب ہو جاتے ہیں ۔" محمود کی جیب سے نکلنے والی ٹافی کو دیکھ کر اس نے کہا۔ پھر فاروق کی جیب سے

نکلنے والے پنسل تراش کو دیکھ کر بولا:

"ہاں، یہ چیز کام کی ہے ۔"

تینوں اپنی جیبیں خالی کر چکے تھے، لیکن فاروق نے سیاہ گولیاں نہیں نکالی تھیں۔

"کیا تم سب چیزیں نکال چکے ہو ؟" شیر علی نے پوچھا۔

"جی ہاں ۔" محمود نے کہا۔

"تم بتاؤ ۔" شیر علی نے فاروق سے پوچھا۔

"جی ــــ کیا اس کا بتانا کافی نہیں ہے ۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ کیا تم اپنی جیب سے سب چیزیں نکال چکے ہو ۔"

"جی..... وہ دراصل....."

"ہوں، میں سمجھ گیا ــــ دونوں سیاہ گولیاں نکال کر میز پر رکھ دو ۔" اس مرتبہ بوڑھے نے سرد آواز میں کہا تھا۔

ان کے منہ حیرت کی زیادتی سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

بوڑھے سے دلچسپ جھڑپ

وہ بوڑھے شیر علی کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کا آدمی ہو۔ پہلی سیاہ گولی انہیں کھیل کے میدان سے ملی تھی اور دوسری ہوٹل کے کمرے سے لیکن دونوں موقعوں پر بوڑھا موجود نہیں تھا۔ پھر اسے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ فاروق کی جیب میں دو گولیاں موجود ہیں۔ کیا بوڑھا جادوگر ہے یا کالا علم جانتا ہے۔ آخر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو محمود نے حیرت بھرے لہجے میں کہا:

"کیا آپ جادوگر ہیں؟"

"نہیں تو ـــ کیوں، تم نے یہ کیوں کہا؟"

"آخر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ فاروق کی جیب میں دو سیاہ گولیاں ہیں؟"

"اندازہ لگایا تھا، جو صحیح نکلا۔"

"کمال ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ ہمیں دو مرتبہ حیران کر چکے ہیں، بلکہ تین مرتبہ...... پہلی مرتبہ ہوٹل میں، دوسری مرتبہ غسل خانے سے نکل کر...... کیونکہ ہم غسل خانے کو خالی دیکھ چکے تھے اور تیسری مرتبہ جب آپ کمرے میں داخل ہوئے تو فوراً ہی ڈر کر ہمیں دیکھ لیا جیسے آپ کے دو

آنکھیں پیچھے بھی لگی ہوں۔ آپ انسان ہیں یا بھوت؟" فاروق اسے بُری طرح گھور رہا تھا۔

"یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ پہلے وہ گولیاں نکالو۔" شیر علی نے مسکرا کر کہا۔

"آپ ان کا کیا کریں گے؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"مجھے ان کی سخت ضرورت ہے۔"

"لیکن یہ گولیاں ہم آپ کو نہیں دے سکتے، آپ ہمیں سونے دیں یا نہ دیں۔"

"کیا مطلب ـــ تم گولیاں مجھے نہیں دو گے۔" شیر علی نے حیران ہو کہا۔

"جی ہاں ـــ نہیں دیں گے۔"

"لیکن گولیوں کی تو مجھے بہت زیادہ ضرورت ہے۔"

"ہم مجبور ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ادھر دیکھو...... میرے ہاتھ میں کیا ہے۔"

وہ ایک بار پھر حیران رہ گئے۔ انہیں پتا بھی نہ چلا کہ شیر علی نے کب پستول نکال لیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو، میں خود ہی گولیاں نکال لوں گا۔"

وہ دھک سے رہ گئے۔ کر ہی کیا سکتے تھے۔ ویسے انہوں نے خواب میں بھی یہ نہ سوچا تھا کہ بوڑھا اس طرح یکایک پستول بھی

نکال سکتا ہے، ورنہ وہ اس پر پہلے ہی حملہ کر دیتے۔ آخر انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے اور بوڑھا فاروق کی طرف بڑھا۔ جوں ہی وہ محمود کے قریب سے گزرا۔ اس نے اپنی ٹانگ ایک دم آگے کر دی۔ یہ ایک ایسی حرکت تھی کہ بوڑھا منہ کے بل فرش پر گرتا۔ لیکن محمود کو مایوسی ہوئی۔ بوڑھا بجلی کی سی تیزی سے اچھلا تھا اور اس کی ٹانگ پر سے ہوتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا تھا۔ اسی وقت فاروق نے جھکائی دے کر دوسری طرف نکل جانا چاہا، لیکن وہ تو اس کے بالکل سامنے پہنچ چکا تھا۔ فرزانہ نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ہاتھ مل کر رہ گئی۔ بوڑھا انہیں شکست پر شکست دے رہا تھا اور پھر اس نے فاروق کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس وقت فرزانہ کو کچھ کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ اچھلی اور بوڑھے کے پستول والے ہاتھ کو پکڑ کر لٹک گئی۔ اس نے سوچا تھا، اس طرح پستول والا ہاتھ فرش کی طرف جھک جائے گا اور فاروق اپنا بچاؤ کر سکے گا۔ لیکن ان کی سٹی یہ دیکھ کر گم ہو گئی کہ ہاتھ ایک انچ بھی نیچے نہیں جھکا تھا؛ حالانکہ فرزانہ ابھی تک لٹکی ہوئی تھی۔ اس وقت انہیں یوں محسوس ہوا جیسے بوڑھا گوشت پوست کا نہیں، لوہے کا بنا ہوا ہے۔

"بہت خوب، تم تینوں کی کوششیں بہت بہترین تھیں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس وقت تک تم اس پر قابو پا چکے ہوتے۔ تمہیں جس آدمی نے بھی تربیت دی ہے، وہ ضرور کوئی بہت ہی ذہین اور ماہر

آدمی ہے۔" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن ہماری یہ بہترین کوششیں تو صفر کے برابر ثابت ہوئیں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"اس لیے کہ مقابلے پر میں تھا۔ کوئی اور تو ہرگز نہیں سنبھل سکتا تھا۔"

"اچھا ـــ آپ جیتے ہم ہارے۔"

"نہیں...... ہم جیت کو برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔" بوڑھے نے شریر لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" تینوں چونکے۔

"مطلب یہ کہ اس پھرتی اور دلیری کا تمہیں کچھ تو انعام ملنا ہی چاہیے۔ اس لیے میں دو میں سے صرف ایک گولی لے لیتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے صرف ایک گولی فاروق کی جیب سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ تینوں اس کے اس فیصلے پر بہت خوش ہوئے۔

"آپ کا شکریہ جناب۔"

"اور اب ہم سوئیں گے ـــ میں فرش پر اور تم پلنگ پر۔"

"اچھا جیسے آپ کی مرضی۔"

"اور ہاں، اب کوئی شرارت نہ کرنا۔"

"جی...... جی نہیں...... بالکل نہیں کریں گے۔"

فاروق نے گڑبڑا کر کہا لیکن فرزانہ تو کچھ کرنے کا پروگرام بنا بھی چکی تھی۔ پندرہ منٹ بعد بوڑھے کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔

وہ قالین پر لیٹ کر ہی سو گیا تھا۔ نہ کوئی بستر لیا تھا اور نہ تکیہ۔ آنکھیں تو ان تینوں کی بھی بند تھیں لیکن نیند ان سے کوسوں دور تھی۔ آخر جب فرزانہ کو یقین ہو گیا کہ بوڑھا سو چکا ہے تو وہ دبے پاؤں اٹھی اور میز کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی نظریں برابر بوڑھے پر جمی تھیں۔ وہ بے حس و حرکت تھا۔ میز کے قریب پہنچتے ہی اس نے گڑیا اٹھائی۔ محمود اور فاروق تھوڑی تھوڑی آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ اب فرزانہ بوڑھے کی طرف بڑھ رہی تھی اس نے قدموں کی ہلکی سی آہٹ بھی پیدا نہیں ہونے دی۔

اور پھر وہ بوڑھے کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ تھوڑا سا جھکی اور بوڑھے کی ناک کے قریب کرتے ہوئے گڑیا کا پیٹ دبا دیا۔ ساتھ ہی اپنا سانس روک لیا۔ گڑیا کے پیٹ کے سوراخ میں سے دھوئیں کی ایک لکیر نکلی، اس کے ساتھ ہی محمود اور فاروق اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"وہ مارا — فرزانہ تم نے کمال کر دیا۔ بہت چالاک اور تیز طرار بنا پھرتا تھا۔" محمود نے کہا۔

"ایسا نہ کہو، ہم نے اس پر سوتے میں وار کیا ہے اور یہ کوئی بہادری نہیں ہے۔" فرزانہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا، کیونکہ سوتے میں بوڑھا بے ہوش کر کے اسے دکھ ہو رہا تھا۔

"اوہ، مجھے بہت افسوس ہے، تم ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے اس طرح خوش نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خوش ہونے کا مقام تو اس وقت تھا جب

ہم جاگتے ہیں اس پر قابو پاتے۔" محمود نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"خیر — یہ ایک مجبوری تھی۔ اب جلدی سے اس کی جیب سے گولی نکال لو اور صبح ہونے سے پہلے اگر یہ ہوش میں آنے لگے تو ایک بار پھر گڑیا کا پیٹ دبا دینا۔" فاروق نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں یہی کروں گی۔" فرزانہ نے سر ہلایا۔

محمود سیاہ گولی نکالنے کے لیے آگے بڑھا اور پھر ٹھٹک کر رک گیا۔

"کیا بات ہے، رک کیوں گئے۔ کیا ایک بے ہوش آدمی سے ڈر لگ رہا ہے۔" فاروق نے کہا۔ مگر محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔

"معلوم ہوتا ہے، یہ کھڑے کھڑے سو گیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اس سے پہلے تو کبھی اس طرح نہیں سویا۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا اور آگے بڑھا۔ پھر اس کا بھی وہی حال ہوا جو محمود کا ہو گیا تھا۔

اب تو فرزانہ بہت حیران ہوئی۔ وہ بھی آگے بڑھی اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی مارے حیرت کے کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ بوڑھے کی آنکھیں کھلی تھیں اور اس کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

* * *

یہ ان کی زندگی کا سب سے حیران کن لمحہ تھا۔ بوڑھا گڑیا کے پیٹ سے نکلنے والے دھوئیں سے بے ہوش نہیں ہوا تھا اور بڑا مسکرا رہا تھا جب کہ یہ گڑیا پروفیسر داؤد نے خاص طور پر فرزانہ کے لیے بنائی تھی اور اس سے پہلے وہ بہت سے دشمنوں کو اس کی مدد سے بے ہوش کر چکی تھی۔ پروفیسر داؤد کا

کہنا تھا کہ اس دھوئیں سے وہ آدمی تو بچ سکتا ہے جو گڑیا کے پیٹ سے نکلنے سے پہلے ہی سانس روک لے، ورنہ دھواں جس کی ناک میں بھی پہنچ گیا، وہ بے ہوش ضرور ہو گا — تو کیا دھواں بوڑھے کی ناک میں نہیں پہنچا تھا — لیکن، یہ کیسے ممکن ہے۔ بوڑھا تو سو رہا تھا۔

"کمال ہے، آپ آدمی ہیں یا کسی دوسری دنیا کی مخلوق۔"

"کیوں — کیا ہوا؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارے خیال کے مطابق اس وقت آپ کو بے ہوش ہونا چاہیے تھا" محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ میں سرے سے سویا ہی نہیں تھا۔" بوڑھا مسکرایا۔

"اوہ، تو یہ بات تھی۔ اس کا مطلب ہے، آپ ہوشیار تھے۔"

"ہاں، تم لوگوں کی پھرتی اور چالاکی دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا، تم گولی حاصل کرنے کی ایک کوشش اور کرو گے۔"

"آپ ہم سے چالاک ہیں۔" فاروق نے بجھی بجھی مسکراہٹ سے کہا۔ "اس وقت ہمارے ابا جان یہاں ہوتے تو ضرور آپ سے مل کر خوش ہوتے۔"

"میں بھی یقیناً ان سے مل کر خوش ہوتا، کیونکہ جس شخص کے بچے ایسے ہیں، وہ خود کیسا ہو گا۔"

"آخر آپ اس گولی کا کیا کریں گے؟" فرزانہ نے اچانک سوال کیا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر یہ گولی ہے کیا بلا؟" بوڑھے نے بتایا۔

"آپ یہ کیسے معلوم کریں گے؟"

"کوئی ماہر ڈاکٹر یا سائنس دان آسانی سے بتا دے گا۔" اس نے جواب دیا۔

"آخر آپ کون ہیں؟" محمود نے سوال کیا۔

"ایک بوڑھا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اتنا بتا دیں کہ غسل خانے میں آپ کیوں نظر نہیں آئے تھے، جب کہ بعد میں اسی میں سے برآمد ہوتے ہیں؟"

"اس ہوٹل کے ہر غسل خانے میں ایک خفیہ دروازہ ہے۔ اس دروازے کے ذریعے تاج بادشاہ کے کمرے اور دربار تک جایا جا سکتا ہے۔"

"اوہ!" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"ان دروازوں کے ذریعے اس کے آدمی جب چاہیں، کسی بھی کمرے میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

"اوہ!"

اب انہیں یاد آیا، جب وہ پہلے روز ہوٹل کے ہال میں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئے تھے تو بے تاج بادشاہ کے تین غنڈے غسل خانے سے نکل کر کمرے میں آئے تھے۔

"آخر اس ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے؟"

"یہ بات بہت جلد شید گنج کے لوگوں کو معلوم ہو جائے گی۔" بوڑھے نے پرجوش انداز میں کہا۔

اس کے یہ الفاظ سن کر وہ بے چین ہو گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کیا اس مرتبہ ان کے والد ناکام رہیں گے اور ان کی بجائے یہ بوڑھا کامیاب ہو جائے گا۔

آخر وہ کہاں ہیں ۔ انہوں نے تو کہا تھا ، وہ ہوٹل میں ہی موجود ہوں گے ۔۔۔ وہ تو کہیں بھی نظر نہیں آئے ۔

پھر وہ تمام رات سو نہ سکے ۔ انہوں نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ صبح ہوتے ہی رحیم خان کے گھر پہنچ جائیں گے ، ہو سکتا ہے وہاں ان کے والد موجود ہوں ۔

میدانِ عمل

ہوٹل سے نکلنا ان کے لیے مشکل ثابت نہیں ہوا ۔۔۔ بوڑھے شیر علی کے ساتھ باتیں کرتے وہ ہوٹل سے باہر نکلے اور پھر اس سے رخصت ہو کر رحیم خان کے گھر کی طرف چل پڑے ۔ گھر ہوٹل سے زیادہ دور نہیں تھا ۔ اس لیے انہوں نے ٹیکسی وغیرہ کی ضرورت محسوس نہ کی ۔

رحیم خان کے ساتھ کریم خان بھی گھر میں موجود تھا ۔ آج وہ ابھی تک ٹیکسی لے کر نہیں گیا تھا ۔ دونوں انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔

" سناؤ بھئی ..... کیسا رہا ؟ "

" زبردست کامیابی ہوئی ...... لیکن اس کامیابی کا فائدہ تب ہوگا جب ابا جان سے ہماری ملاقات ہو جائے گی ۔ "

" وہ تو یہاں نہیں آئے ۔ " رحیم خان نے کہا ۔

" اوہ ۔ " ان کے منہ سے نکلا ۔

" اب کیا ہوگا ۔۔۔ آخر وہ کہاں رہ گئے ۔ انہیں ہم تک پہنچ جانا چاہیے تھا ۔ " فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا ۔

" وہ بے خبر نہیں ہوں گے ۔ ضرور ہم سے ملاقات کریں گے ۔ فکر نہ کرو ۔ " محمود بولا ۔

" میں تمہارے لیے ناشتے کا بندوبست کرتا ہوں ۔ " رحیم خان اٹھتے ہوئے بولا ۔

ابھی وہ دو قدم ہی چلا ہوگا کہ گھر میں کوئی داخل ہوا ۔ انہوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا ۔ انسپکٹر جمشید وہاں کھڑے مسکرا رہے تھے ۔

" یا اللہ تیرا شکر ہے ۔ " فرزانہ کے منہ سے نکلا ۔

" معلوم ہوتا ہے ، تم لوگ مجھ سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہو ۔ "

" جی ہاں ۔۔۔ " فاروق بولا ۔

پھر وہ سب بیٹھ گئے ۔ رحیم خان بھی ناشتے کا بندوبست کرنا بھول گیا ۔ محمود ، فاروق اور فرزانہ تفصیل سے انہیں سارے حالات بتا رہے تھے ۔ بوڑھے کا بھی ذکر آیا ۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ دوسری گولی وہ دے چکا ہے ۔

" خیر کوئی بات نہیں ، بہر حال تم نے بڑا کام کیا ہے ۔ گولی مجھے دے دو ۔ "

فاروق نے جیب سے گولی نکالی اور انہیں دے دی ۔ وہ تھوڑی دیر تک اسے گھما پھرا کر دیکھتے رہے ۔۔۔ پھر جیب میں رکھ کر بولے :

" اب میں بہت جلد بے تاج بادشاہ پر ہاتھ ڈال دوں گا ۔ "

" لیکن اس بوڑھے کا کیا کریں گے ۔ آخر وہ کون ہے ؟ "

" بے فکر رہو ۔۔۔ اس سے بھی سمجھ لیا جائے گا ۔ " انسپکٹر جمشید نے لاپرواہی سے کہا ۔

" اب ہمیں کیا کرنا ہے ؟ " محمود نے پوچھا ۔

" انتظار ۔۔۔ دو تین دن تک انتظار کرنا ہے ۔ اس گولی کی رپورٹ ملتے ہی میں بے تاج بادشاہ کو گردن سے پکڑ لوں گا ۔ "

" لیکن ..... یہاں کی ساری پولیس اور اس کے سارے غنڈے اس کا ساتھ دیں گے ۔ آخر ہم اتنے آدمیوں کا مقابلہ کیسے کریں گے ۔ " فاروق نے پریشان ہو کر پوچھا ۔

" فکر نہ کرو ۔۔۔ سب بندوبست ہو جائے گا ۔ بس اب تم اس گھر سے باہر نہ نکلنا ۔ میں دو تین دن کے بعد آؤں گا اور تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے ۔ "

" جی اچھا ۔۔۔ کیا ہم ہوٹل جا کر اس بوڑھے سے بھی ملاقات نہیں کر سکتے ۔ " محمود نے پوچھا ۔

" ہرگز نہیں ، کہیں وہ ہوشیار نہ ہو جائے ۔ "

" بہت بہتر ۔ "

" اور ہاں ۔۔۔ آپ دونوں بھی اس روز ہوٹل میں موجود ہوں گے ۔ " اچانک انسپکٹر جمشید نے رحیم خان اور کریم خان سے کہا ۔

" بھلا ہم کیا کریں گے ۔ " کریم خان چونکا ۔

" بھئی ، کیا تم اس ظالم کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنا پسند نہیں کرو گے ۔ "

" ہاں ، کیوں نہیں ۔ " رحیم خان کے منہ سے نکلا ۔

" بس تو پھر آپ دونوں کو بھی آنا ہوگا ۔ " یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید

عجیب انداز میں مسکرائے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ ان کی یہ مسکراہٹ دیکھ کر چونک اُٹھے۔ یہ مسکراہٹ بے معنی نہیں تھی۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ آخر ان کے والد نے رحیم خان اور کریم خان کو ہوٹل آنے کی دعوت کیوں دی ہے۔

* * *

تین دن بعد جا کر کہیں انسپکٹر جمشید کی صورت دکھائی دی۔ وہ کافی تھکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ آتے ہی بولے:

"سب انتظام ہو گیا ـــ میں آج رات بے تاج بادشاہ کو گرفتار کر رہا ہوں۔"

"کیا؟" تینوں چلا اٹھے۔

"ہاں، میں پورا پروگرام ترتیب دے چکا ہوں۔ تم لوگوں کو بھی بہت ضروری کام انجام دینا ہے۔"

"ہمیں کیا کرنا ہے؟" محمود نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تمہیں سیاہ گولیوں کو ٹھکانے لگانا ہے۔"

"لیکن ابا جان ہم اتنی ڈھیروں گولیاں کہاں لے جائیں گے؟"

"تم پہرے دار کو بے ہوش کر کے تمام ڈبے چھت پر پہنچاؤ گے اور خالی کمرے کو تالا لگا دو گے۔ اس کے بعد تم بے تاج بادشاہ کے دربار میں آ جانا۔ میں وہیں ہوں گا۔ لیکن آنے سے پہلے چند ڈبیاں اپنی جیبوں میں ڈالتے لانا۔"

"بہت اچھا ـــ کیا آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ گولیاں کیا بلا ہیں؟" فاروق نے پوچھا۔

"اگر معلوم نہ ہو جاتا تو پروگرام کیسے ترتیب دے سکتا تھا۔"

"ہمیں اس بوڑھے کی طرف سے خطرہ ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کیوں، اس سے کیا خطرہ ہے؟"

"وہ بے تاج بادشاہ کا ملازم بن چکا ہے اور ہمیں اس میک اپ میں پہچانتا ہے ـــ بے حد بہت چالاک اور پھرتیلا آدمی۔"

"فکر کی کوئی بات نہیں، میں تمہارے نزدیک موجود ہوں گا۔ اگر تمہیں مدد کی ضرورت پڑی تو فوراً پہنچوں گا۔"

"تب تو ٹھیک ہے ـــ لیکن بات ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ہم اتنے بہت سے آدمیوں کا مقابلہ کیسے کریں گے۔"

"اس طرف سے بھی بے فکر ہو جاؤ۔ میں نے انتظام کر لیا ہے ـــ" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا آپ نے دارالحکومت سے مدد منگائی ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں، اس حد تک جانے کی ضرورت نہیں تھی، ورنہ فوج بھی بلوائی جا سکتی تھی۔"

"اور کوئی ہدایت؟" محمود نے پوچھا۔

"گولیوں کے ڈبے چھت پر ایسی جگہ چھپا سکتے ہو جہاں سے وہ کسی کو دکھائی نہ دیں۔" انسپکٹر جمشید نے سوچتے ہوئے کہا۔

"چھت پر بھلا ایسی کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بہر حال ..... کوشش کرنا۔"

"جی اچھا۔"

"پہرے دار پر قابو پاتے وقت خاص احتیاط کی ضرورت ہو گی۔ اگر کام بگڑ گیا تو سارا پروگرام دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور میں بے تاج بادشاہ پر ہاتھ نہیں ڈال سکوں گا۔"

"ہم ہر ممکن احتیاط کریں گے اور اس کے حلق سے کوئی آواز نکلنے سے پہلے ہی اسے بے ہوش کر دیں گے۔ تجربہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔"

"بس ٹھیک ہے، اب میں چلوں گا۔"

"اور ناشتا؟" رحیم خان نے کہا۔

"ارے ہاں، اسے تو ہم بھول ہی گئے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے اور پھر ناشتے کے لیے رک گئے۔ ناشتے کے دوران انہوں نے رحیم خان سے کہا۔

"آپ دونوں بھی رات کو ہوٹل میں آ جائیں اور ٹھیک دس بجے جب تالیوں کی آواز سنیں تو دربار میں داخل ہو جائیں ـــ محمود، تم لوگ بھی ان کے ساتھ ہی اندر آؤ گے۔ اس سے پہلے باہر کسی کونے میں چھپے رہنا۔"

"جی اچھا ـــ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گولیوں کا انتظام ہمیں دس بجے سے پہلے پہلے کرنا ہے۔"

"ہاں، ٹھیک دس بجے تو تمہیں دربار میں داخل ہونا ہے۔"

* * *

ٹھیک نو بجے فاروق اس پائپ کے سہارے ہوٹل کی چھت کا رُخ کر رہا تھا۔ محمود اور فرزانہ نیچے کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے چھت پر پہنچتے ہی محمود کی باری آئی اور پھر فرزانہ اوپر پہنچی۔

"پہلے چھت پر کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں ڈبے چھپانے ہیں۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔"

انہوں نے ساری چھت دیکھ ڈالی۔ صرف ایک جگہ ایسی نظر آئی جہاں ڈبے چھپائے جا سکتے تھے۔ یہ جگہ برساتی کی شکل کی تھی لیکن اس جگہ ہوٹل کا ٹوٹا پھوٹا سامان ڈھیر کیا گیا تھا۔

"اس سامان کے پیچھے ڈبے چھپا دیے جائیں تو اندھیرے میں کسی کے باپ کو بھی نظر نہیں آ سکتے۔" محمود بولا۔

"بالکل ٹھیک ...... اس چھت پر اس سے بہتر جگہ اور ہو بھی نہیں سکتی۔" فرزانہ نے کہا۔

"چلو یہ تو طے ہوا۔ اب اس پہرے دار سے نمٹنا ہے۔" فاروق بولا۔

"اور یہ کام فرزانہ کرے گی۔ کیونکہ گڑیا اس کے پاس ہے۔"

"ٹھیک ہے ـــ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

دبے پاؤں سیڑھیاں اترتے وہ نیچے آئے۔ پہرے دار اسٹول پر اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا جس میں اس رات تھا۔ بندوق آج بھی اس کے کندھے سے لگی ہوئی تھی۔ فرزانہ نے گڑیا ہاتھ میں دبائی اور فرش پر لیٹ کر رینگنے

گی۔ محمود اور فاروق دیوار سے لگ کر آگے کھسکنے لگے تاکہ ضرورت پڑے تو فرزانہ کی مدد کر سکیں لیکن ایسی کوئی نوبت نہ آئی۔ پہرے دار نہایت شرافت سے لمبا لمبا لیٹ گیا۔ محمود نے فوراً تالے میں چابی لگائی۔ تالا کھلتے ہی انہوں نے پہرے دار کو بھی اندر گھسیٹ لیا۔

"اپنی ٹائیاں کھولو اور اس کے ہاتھ پیر باندھ دو۔"

"تم بھی اپنے ساتھ کوئی رسی وسی لے آیا کرو۔ ہماری ہی ٹائیوں کا بیڑا غرق ہوتا ہے ہمیشہ۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"یہ جلنے بھننے کا وقت نہیں ہے۔ ایک ایک منٹ قیمتی ہے۔" محمود نے کہا اور اپنی ٹائی کھول کر پہرے دار کے ہاتھ کمر پر باندھنے لگا۔ فاروق نے بھی فوراً اپنی ٹائی سے اس کے پیر جکڑ دیے۔

"چلو فرزانہ، کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو، ڈبے اوپر پہنچانا شروع کر دو۔"

تینوں اس کام میں جٹ گئے۔ ان کے پاس پینتالیس منٹ تھے — پینتالیس منٹ میں انہیں تمام ڈبے اوپر پہنچانے تھے جب کہ ڈبے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ وہ ڈبوں کی قطار کی قطار دونوں ہاتھوں میں تھام کر اٹھاتے اور اوپر لے جاتے رہے —— یہاں تک کہ تیس منٹ میں کمرہ خالی ہو گیا۔ اب صرف پہرے دار وہاں رہ گیا تھا۔ وہ بری طرح ہانپ رہے تھے۔ کیونکہ آدھ گھنٹے تک تیزی سے سیڑھیاں اترتے اور چڑھتے رہے تھے اور درمیان میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں رکے تھے۔

"اب اس کا کیا کریں؟" محمود نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"اسے کمرے میں ہی پڑا رہنے دو، البتہ کمرے کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"بالکل ٹھیک —— یہی کرنا چاہیے۔"

تالا لگا کر وہ نیچے چل پڑے۔

دربار میں

بے تاج بادشاہ کا دربار لگا ہوا تھا۔ تمام کرسیوں پر اس کے درباری بیٹھے تھے۔ ایک کرسی پر بوڑھا شیر علی بھی موجود تھا۔ اچانک کرسی کے ساتھ والا دروازہ کھلا اور بے تاج بادشاہ اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی سب لوگ تعظیم سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے کرسی پر بیٹھتے ہی سب بیٹھ گئے۔

"شیر علی، تم نے ابھی تک رحمت علی کا پتا لگایا نہ اس کے بیوی بچوں کا۔ کیا تم یہ کام کرنے میں ناکام ہو چکے ہو؟" بے تاج بادشاہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔

"نہیں عالی جاہ، میں اس کے تینوں بچوں کو گرفتار کر چکا ہوں اور آج آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بچوں کی گرفتاری کے بعد رحمت علی جہاں کہیں بھی ہو گا، خود ہی بھاگا چلا آئے گا۔ بلکہ میرا خیال ہے میں آج ہی اسے بھی پیش کر سکوں گا۔"

"بہت خوب —— یہ ہوئی نا بات —— میں ہر کام سے پہلے اس کے بچوں کو دربار میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک دس بجے وہ دربار میں ہوں گے عالی جاہ۔" شیر علی نے جھک کر کہا۔

"کیوں —— اس سے پہلے کیوں نہیں، تم انہیں گرفتار کر ہی چکے ہو؟"

بے تاج بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔

"جی —— دراصل میں نے اپنے ایک آدمی کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ ٹھیک دس بجے دربار کے دروازے پر انہیں پہنچا دے۔ دس بجنے میں صرف دس ہی تو منٹ رہ گئے ہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں —— اتنی دیر میں ہم کچھ دوسرے کام نمٹا لیتے ہیں۔ وہ صاحب کھڑے ہو جائیں جن کی کل گولی گم ہو گئی تھی۔"

فوراً ہی پولیس کا وہ آفیسر کھڑا ہو گیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"کل دوسری گولی مل گئی تھی؟"

"جی ہاں عالی جاہ۔" اس نے جھک کر کہا۔

"اس کی قیمت جرمانے سمیت ادا کر دی جائے۔"

"ایسا ہی ہو گا عالی جاہ۔"

"ٹھیک ہے —— اب تم بیٹھ جاؤ۔"

اسی قسم کے دو ایک اور کام کرنے کے بعد دس منٹ پورے ہو گئے۔

"دس بج گئے ہیں اور رحمت علی کے بچے ابھی تک نہیں آئے۔" اس نے شیر علی کو گھور کر کہا۔

"ابھی حاضر ہوتے ہیں عالی جاہ۔" یہ کہہ کر اس نے زور سے تالی بجائی۔ فوراً ہی محمود، فاروق اور فرزانہ اندر داخل ہوئے لیکن چونکہ وہ میک اپ میں تھے، بے تاج بادشاہ انہیں پہچان نہ سکا۔ ان کے پیچھے رحیم خان اور کریم خان بھی تھے جن پر ابھی بے تاج بادشاہ کی نظر نہیں پڑی تھی۔

"یہ کیا مذاق ہے — یہ وہ بچے نہیں ہیں" اس نے گرج کر کہا۔

دوسری طرف محمود، فاروق اور فرزانہ بُری طرح گھبرا گئے تھے کیونکہ ہال میں انہیں انسپکٹر جمشید کہیں بھی دکھائی نہیں دیے تھے۔

"یہ وہی ہیں عالی جاہ، انہوں نے بھیس بدل رکھا ہے۔ میں ابھی آپ کو ان کے اصل چہرے دکھاتا ہوں"

اب انہوں نے بوڑھے شیر علی کو دیکھا۔ انہیں حیرت تو اس بات پر تھی کہ جب انسپکٹر جمشید ہال میں موجود نہیں ہیں تو پھر تالی کس نے بجائی تھی۔

ابھی وہ حیران ہی تھے کہ بوڑھا شیر علی ان کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان کا میک اپ اتارتا، بے تاج بادشاہ کی نظر رحیم خان اور اس کے بیٹے پر پڑ چکی تھی۔ وہ بڑے زور سے چلایا۔

"ارے — تم یہاں کیوں آئے — کون لایا ہے تمہیں؟"

یہ جملہ سن کر محمود، فاروق اور فرزانہ دنگ رہ گئے، تو کیا بے تاج بادشاہ رحیم خان اور اس کے لڑکے کو پہچانتا ہے۔ یہ نئی بات انہیں بہت عجیب لگی۔ دوسری طرف رحیم خان کہہ رہا تھا:

"ہمیں کون لاتا — خود آئے ہیں"

"لیکن اس سے پہلے تو تم کبھی نہیں آئے"

"بس مرضی کی بات ہے — دل نے چاہا، چلے آئے"

"ہوں — ان کے لیے کرسیاں لائی جائیں" اس نے دربانوں سے کہا۔

"نہیں کرسیوں کی ضرورت نہیں، ہم یوں ہی ٹھیک ہیں"

"شیر علی — ان بچوں کو شید گنج میں کس نے پناہ دے رکھی تھی؟"

"جی — رحیم خان اور اس کے بیٹے نے" شیر علی نے بتایا۔

"کیا؟" بے تاج بادشاہ نے چلا کر کہا "یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ پھر تو واقعی ان کے لیے کرسیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو میرے مجرم ہیں۔ برابر کی سزا کے حق دار ہیں"

"اسی لیے تو ان کے ساتھ آئے ہیں" کریم خان نے مزا کر کہا۔

"میرے دربار میں کھڑے ہو کر اس لہجے میں بات نہ کرو، ورنہ زبان گدی سے کھنچوا لوں گا"

کریم خان نے جواب میں کچھ نہ کہا کیونکہ وہ دونوں بھی بہت حیران تھے یہاں انسپکٹر جمشید موجود نہ تھے، اگر وہ ہوتے تو کریم خان ضرور بے تاج بادشاہ کی بات کا ڈٹ کر جواب دیتا۔

"ان کے میک اپ اتار دو، شیر علی"

"جی بہت بہتر عالی جاہ"

شیر علی آگے بڑھا اور انسپکٹر جمشید نے ان تینوں کے چہروں پر جو چیزیں مصنوعی لگائی تھیں، نوچ نوچ کر پھینک دیں۔ اب تینوں اپنی اصل شکل صورت میں کھڑے تھے۔

"بہت خوب، یہ تو وہی ہیں — لیکن کمال کا میک اپ تھا۔ کیا یہ میک اپ ان کے باپ نے کیا تھا" بے تاج بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں، اسی لیے تو یہ پکڑے نہیں جا سکے — خود وہ بھی تو بھیس بدلے

پھر رہا ہے —"

"ٹھیک ہے، یہ اس وقت تک قید میں رکھے جائیں گے جب تک ان کا باپ خود کو پیش نہیں کر دیتا" اس نے حکم دیا پھر جنگو سے بولا:

"جنگو سب کام ہو چکے۔ اب آج کا راشن تقسیم کرنا رہ گیا ہے۔ ان سب کے لیے ایک ایک گولی لے آؤ — ہاں، ان دو آدمیوں کے لیے نہ لانا — رحیم خان اور کریم خان کے لیے" یہ کہتے وقت وہ زور سے ہنسا۔

"بہت بہتر عالی جاہ" جنگو نے جھک کر کہا اور ہال سے نکل گیا۔

"کیا خیال ہے، شیر علی — جب ان کے والد کو خبر ملے گی کہ اس کے بچے میرے قابو میں ہیں تو وہ بھاگا آئے گا یا نہیں؟" بے تاج بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ضرور آئے گا عالی جاہ، اسے آنا ہی ہوگا"

"تم جانتے ہو، میں ان بچوں کو چھوڑنے کی کیا شرط رکھوں گا؟"

"جی نہیں عالی جاہ"

"میں اس سے کہوں گا...... ایک گولی کھا لو اور اپنے بچے لے جاؤ"

یہ کہہ کر وہ بے تحاشا قہقہے لگانے لگا۔ اس کے درباری اس کا پورا پورا ساتھ دے رہے تھے۔ پورا ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ ہال میں صرف چھ آدمی ایسے تھے جو ہنس نہیں رہے تھے۔ محمود، فاروق، فرزانہ، رحیم خان، کریم خان اور چھٹا شیر علی تھا۔ انہیں حیرت ہوئی کہ شیر علی کیوں قہقہے نہیں لگا رہا۔

قہقہوں کا یہ طوفان اس وقت رکا جب جنگو بدحواسی کے عالم میں

دوڑتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

* * *

"سرکار — سرکار —!" وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ سب گھبرا گئے۔

"کیا بات ہے — کیا تم نے راستے میں کوئی بھوت دیکھ لیا ہے" بے تاج بادشاہ نے منہ بنا کر کہا۔

"سرکار..... عالی جاہ ..... وہ..... وہ..... جنگو پھر ہکلا کر رہ گیا۔

"یہ کیا بکواس ہے — صاف صاف بات کرو"

"پہرے دار بے ہوش پڑا ہے......"

"بے ہوش پڑا ہے — اچھا — تو کیا ہوا..... اسے ہوش میں لے آؤ۔ تم گولیاں لائے یا نہیں"

"حضور..... پہرے دار گولیوں والے کمرے میں ہی تو بے ہوش پڑا ہے"

"کیں..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو، کیا گولیوں والا کمرہ کھلا پڑا تھا" بے تاج بادشاہ پہلی مرتبہ بوکھلا کر بولا۔

"جی نہیں، دروازے کو تالا لگا ہوا تھا — جب میں نے تالا کھولا اور اندر داخل ہوا تو وہ فرش پر بے ہوش پڑا تھا"

"عجیب بات ہے۔ اب یہ تو اس کے ہوش میں آنے پر ہی پتا چلے گا کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا اور وہ کمرے میں کیسے پہنچ گیا۔ مگر تم گولیاں کیوں نہیں لائے"

"عالی جاہ! یہی تو سب سے عجیب بات ہے۔ گولیوں والا کمرہ خالی

پڑا ہے — بالکل خالی — اس میں ایک ڈبا بھی نہیں — ایک گولی تک نہیں ہے۔"

"کیا!" بیسیوں آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔ ان کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ منہ حیرت، خوف اور پریشانی کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ رنگ اڑ گئے۔ جسموں پر کپکپی طاری ہو گئی۔

"اب کیا ہو گا۔" کئی ایک کے منہ سے نکلا۔ اس کے ساتھ ہی کئی آدمی کرسیوں سے لڑھک کر فرش پر آ رہے۔ وہ بے ہوش ہو گئے تھے، مگر کسی نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

"کیا تم نے جاگتے میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ لیا؟" آخر بے تاج بادشاہ نے سنبھل کر کہا۔

"نہیں عالی جاہ! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"تین آدمی اس کے ساتھ جا کر دیکھ آئیں۔ کیا اس نے جو دیکھا ہے، وہ ٹھیک ہے۔" اس نے حکم دیا۔

فوراً جگنو کے ساتھ تین آدمی ہال سے نکل گئے۔ ان کے واپس آنے میں دیر نہ لگی۔ لٹکے ہوئے منہ دیکھ کر بے تاج بادشاہ کے ہوش اڑ گئے۔

"تو یہ ٹھیک ہے کہ گولیوں کا کمرہ خالی ہے؟"

"جی ہاں عالی جاہ۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے — ہزاروں ڈبے کیسے غائب ہو سکتے ہیں۔ یہ تو ایسے لگتا ہے جیسے کسی جادوگر نے اپنے کسی جن کو حکم دیا ہو کہ یہ ڈبے

یہاں سے غائب کر دو — آخر یہ کیسے ہو گیا۔"

"عالی جاہ...... ان سب سوالوں کے جوابات آپ کو میں دے سکتا ہوں۔"

اچانک شیر علی بول پڑا۔ سب اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب — تم کیسے جواب دے سکتے ہو۔" بے تاج بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔

"دے سکتا ہوں۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ گولیاں کہاں ہیں۔"

"کیا کہا — تم جانتے ہو — تو بتاؤ نا — کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔" بے تاج بادشاہ خوش ہو کر بولا۔

"پہلے آپ کو میرے چند سوالات کے جوابات دینے ہوں گے۔" شیر علی نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا بکواس ہے۔ میں اپنے ایک ملازم کے سوالات کے جوابات دوں گا۔ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔" اس نے چلا کر کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ جو اس وقت تک انسپکٹر جمشید کے وہاں نہ ہونے کی وجہ سے بہت پریشان تھے، شیر علی کا لہجہ بدلنے پر اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ چہروں پر رونق آ رہی تھی اور یہ سب کچھ انہیں ایک خواب کی طرح نظر آ رہا تھا۔

"اگر تم میری باتوں کا جواب نہیں دو گے تو میں گولیوں کا پتا نہیں بتاؤں گا۔" یہ کہتے وقت شیر علی مسکرایا بھی تھا۔

"ہوں، تمہاری یہ جرأت...... میں تمہاری کھال اتروا لوں گا۔"

"تم غلط فہمی میں مبتلا ہو رشید خان —"

"رشید خان!" محمود، فاروق اور فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ دوسرے درباری بھی حیران تھے۔

"ہاں — اس کا اصل نام رشید خان ہے اور تم یہ سن کر ضرور اچھل پڑو گے کہ یہ رحیم خان کا بیٹا اور کریم خان کا بڑا بھائی ہے۔"

"کیا؟" وہ واقعی اچھل پڑے۔

"ہاں، بہت مدت پہلے کی بات ہے، ایک غیر ملکی یہاں آیا تھا، اس وقت رشید خان اپنے باپ کے ساتھ رہتا تھا، اس غیر ملکی نے یہاں ایک ہوٹل بنوایا، اس کا مینیجر رشید خان کو مقرر کیا اور پھر ایک دن کہنے لگا کہ اگر رشید خان اسے ہر ماہ ایک لاکھ روپے اس کے ملک بھجوا دیا کرے تو وہ یہاں سے چلا جائے گا اور رشید خان کو ہوٹل کا مالک بنا دے گا۔ رشید خان نے اس سے کہا کہ بھلا وہ ایک لاکھ روپے مہینہ کیسے کما سکتا ہے۔ مشکل سے چند ہزار روپے ماہوار آمدنی ہو گی۔ اس پر غیر ملکی نے اسے ایک گولی دی۔ یہ گولی سیاہ رنگ کی تھی۔ غیر ملکی نے کہا کہ اپنے کسی گاہک کو یہ گولی چائے وغیرہ میں گھول کر پلا دو — اس نے ایک آدمی کو پلا دی۔ دوسرے دن وہ شخص پھر آیا۔ گولی کھائے اسے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ اچانک اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ غیر ملکی نے جلدی سے رشید خان کو ایک گولی اور دی اور کہا کہ یہ اس آدمی کو

دے کر کہو کہ وہ اسے نگل لے۔ اس آدمی نے گولی نگل لی۔ فوراً ہی اس کا درد رک گیا۔ اس پر غیر ملکی نے بتایا کہ اب ہر روز اسے اسی گھنٹے کے بعد اسے درد اٹھا کرے گا اور جب تک یہ گولی نہ کھا لیا کرے گا، اس وقت تک درد دور نہیں ہوا کرے گا، چاہے دنیا بھر کے ڈاکٹروں سے علاج کرائے — اس لیے تم ہر روز اس گولی کے منہ مانگے دام وصول کر سکتے ہو۔ بڑے بڑے افسروں کو اپنا غلام بنا سکتے ہو۔ اس شہید گنج کے تمام امیر کبیر لوگوں کو اپنی مٹھی میں لے سکتے ہو، پھر ایک لاکھ کیا...... ہر ماہ کئی لاکھ کما سکتے ہو۔

رشید خان کی سمجھ میں بات بخوبی آ گئی۔ اس نے پوچھا کہ اتنی گولیاں کہاں سے ملیں گی۔ غیر ملکی نے کہا، وہ لا کر دیا کرے گا۔ سال بھر کی گولیاں ایک ہی بار پہنچا دیا کرے گا۔

چنانچہ سودا طے ہو گیا۔ غیر ملکی نے پہلے سال کے لیے گولیاں لا کر رشید خان کو دے دیں۔ اس نے ان گولیوں کی مدد سے بڑے بڑے افسروں کو اپنے قابو میں کر لیا۔ جس نے ایک بار سیاہ گولی کھا لی، وہ اس کا غلام بن گیا۔ اگر کوئی ذرا بھی چوں کرتا تو وہ اس کی گولی روک لیتا، یہاں تک کہ وہ اس کے پیروں میں گر جاتا۔ پولیس کے بھی سب بڑے بڑے افسر اس کے ذاتی ملازم بن کر رہ گئے۔ رحیم خان کو اصل بات کا پتا چلا تو اس نے بیٹے کو سمجھانا چاہا۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا۔ اسے تو دولت اور اقتدار کا نشہ چڑھ چکا تھا۔ آخر اس نے اپنے آپ کو بے تاج بادشاہ کہلوانا شروع کر دیا، پھر باقاعدہ ایک دربار لگنے لگا جس میں گولیاں تقسیم کی جاتیں۔

جگو اس غیر ملکی کا خاص آدمی تھا۔ اس لیے گولیوں کے کمرے کا حساب کتاب اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ پھر اور زیادہ دولت سمیٹنے کے لیے لوگوں سے لمبے چوڑے بل وصول کیے جانے لگے۔ اگر کوئی پولیس میں رپورٹ درج کروانا چاہتا تو پولیس والے بے تاج بادشاہ کے خلاف رپورٹ ہی نہ لکھتے۔ اگر کوئی زبردستی رپورٹ لکھوانے میں کامیاب بھی ہوجاتا تو پولیس بے تاج بادشاہ کو خبردار کر دیتی اور وہ اسے موت کے گھاٹ اتروا دیتا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ شخص پورے شہید گنج کا بے تاج بادشاہ بن بیٹھا۔ باپ اور بھائی نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ وہ چاہتے تھے ان کا بیٹا اور بھائی پکڑا جائے اور یہ غیر قانونی سلسلہ ختم ہوجائے۔ لوگوں کو سکھ اور چین ملے۔ لیکن رشید خان بہت طاقت ور بن گیا تھا۔ لوگ اس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ ایسے میں میرا ایک دوست سرور بیگ یہاں آپھنسا۔ سرور بیگ ـــ کیا تم دروازے کے باہر موجود ہو۔ اب تم اندر آسکتے ہو۔" شیر علی نے رُک کر کہا

سرور بیگ اندر داخل ہوا اور مسکراتے ہوئے بولا:

"میں باہر کھڑا سب کچھ سُن رہا ہوں۔ تم نے کمال کردیا میرے دوست۔"

دربار میں موجود سب انسپکٹر بڑی زور سے چونکا۔ اسے یاد آگیا، سرور بیگ رپورٹ درج کرانے آیا تھا اور جب اس نے رپورٹ درج نہ کی تو اس نے کہا تھا..... وہ جا رہا ہے اور شہید گنج میں ایک ایسے آدمی کو بھیجے گا کہ

بے تاج بادشاہ کی ساری بادشاہت دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس بوڑھے آدمی کو دیکھا۔

"اور اب ..... میرا خیال ہے ..... کہ میرے اس میک اپ کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ لوگ جان ہی چکے ہوں گے کہ میں دراصل کون ہوں۔" یہ کہتے ہوئے شیر علی نے اپنے چہرے سے مونچھیں اور پلاسٹک کی ایک باریک سی جھلی اتار پھینکی۔

"رحمت علی .....": بے تاج بادشاہ کے منہ سے نکلا۔ اس کی آنکھیں حیرت کے مارے ابل پڑیں۔

"رحمت علی نہیں ـــ انسپکٹر جمشید ـــ" سرور بیگ نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا؟" حیرت میں ڈوبی ہوئی کئی آوازیں ابھریں۔

محمود، فاروق اور فرزانہ تو انسپکٹر جمشید کے لہجہ بدلتے ہی انہیں پہچان گئے تھے۔ باقی لوگ اس طرح ساکت اور جامد کھڑے تھے جیسے کسی جادوئی [illegible]ں میں پیچھے مڑ کر دیکھ لینے کی وجہ سے پتھر کے بتوں میں تبدیل ہوگئے ہوں۔

"ابا جان، آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ یہ گولیاں ہیں کیا بلا؟"

"ہاں، یہ بات رہ گئی۔ دراصل یہ افریقہ میں پائے جانے والے ایک درخت کا رس ہے۔ یہ رس بوندوں کی شکل میں ان درختوں سے ٹپکتا رہتا ہے۔ یہ بوندیں زمین پر پڑے پڑے خشک ہوجاتی ہیں اور گولیاں بن جاتی ہیں دراصل یہ ایک نشہ آور دوا ہے۔ اس کا نشہ ہلکا سا ہے اور چوبیس گھنٹے تک

رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی تاثیر یہ ہے کہ اگر چوبیس گھنٹے بعد اس کی دوسری خوراک نہ کھائی جائے تو درد قولنج اٹھتا ہے جو ناقابلِ برداشت ہوجاتا ہے۔"

"لیکن وہ غیر ملکی کس طرح ہر سال یہ گولیاں یہاں بھیج دیتا ہے؟"

"خفیہ راستوں سے ـــ دراصل وہ غیر ملکی ہمارے دشمن ملک سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طرح وہ ہماری ساری قوم کو آہستہ آہستہ ان گولیوں کا عادی بنانے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ ایک دن وہ آقا بن بیٹھیں۔ رشید خان کا تو انہوں نے عارضی سہارا لیا تھا اور تجربے کے طور پر انہوں نے شہید گنج کو چنا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ دوسرے شہروں میں بھی پہنچ جاتا۔"

"اوہ ـــ" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اور اب ـــ میرے دوستو ـــ" انسپکٹر جمشید نے دربار میں موجود تمام لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"وہ سب گولیاں چونکہ اب میرے قبضے میں ہیں اور میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں، اس لیے اس بے تاج بادشاہ کی بادشاہت اس وقت سے ختم ہوتی ہے۔ اسے پکڑ لو اور رسیوں سے جکڑ دو۔"

رشید خان گھبرا کر کھڑا ہوگیا لیکن اسے پچھلے دروازے سے بھاگنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اگر انسپکٹر جمشید اسے جان سے مار دینے کا حکم دے دیتے تو وہ اس کی بوٹیاں تک اڑا دیتے۔ چند لمحوں بعد بے تاج بادشاہ بے بس ہوچکا تھا۔ اس کی بادشاہت کا

سورج غروب ہوچکا تھا اور نیا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ نئی صبح شہید گنج کی پہاڑیوں پر نمودار ہو رہی تھی۔ ایسے میں فاروق نے سوال اٹھایا:

"لیکن ابا جان، آپ ان لوگوں کا کیا کریں گے۔ ایک سال تک تو گولیاں چلتی رہیں گی، اس کے بعد کیا کریں گے؟"

"بے فکر رہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ "اب انہیں گولیاں دینے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ غیر ملکی نے دراصل یہ بات نہیں بتائی تھی کہ ڈاکٹروں نے اس گولی کا اثر ختم کرنے کے لیے ایک دوا تیار کرلی ہے جسے صرف ایک مرتبہ کھانا پڑتا ہے۔ اس کے بعد کبھی سیاہ گولی کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"اوہ، پھر تو مار لیا میدان۔"

"میں نے کہا تھا نا ـــ ہم پولیس یا فوج کی مدد کے بغیر ہی سب پر قابو پا لیں گے۔ اب یہ سب لوگ ہمارے احکامات کی تعمیل کریں گے، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ سیاہ گولیوں کا ذخیرہ اب ہمارے پاس ہے۔ تم اپنی جیبوں میں کچھ گولیاں لائے ہوتا۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں، بہت گولیاں لائے ہیں۔"

"وہ نکال کر انہیں دکھا دو ـــ تاکہ انہیں یقین آجائے۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا اور دربار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

* * *

انسپکٹر جمشید اگلے دن بہت مصروف رہے۔ تمام گولیاں پولیس کے ذریعے آگ میں ڈال کر ضائع کرائی گئیں۔ ہوٹل کے ہر کمرے میں جو خفیہ راستے کھلتے

تھے، بند کرائے تاکہ مسافر محفوظ رہیں۔

دوسرے دن وہ رحیم خان اور کریم خان سے رخصت ہو رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے ہوٹل ان دونوں کو سونپ دیا تھا۔ وہ ان سے کہہ رہے تھے:

"اگر آپ میری مدد نہ کرتے تو شاید میں اتنی آسانی سے کامیاب نہ ہوتا۔ آپ کو اپنے بیٹے کے گرفتار ہونے کا کوئی افسوس تو نہیں؟"

"وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ وہ تو دشمن ملک کا بیٹا ہے۔ میرا بیٹا تو کریم خان ہے، جو ٹیکسی چلا کر حلال کی روزی کماتا ہے اور میرا اور اپنا پیٹ بھرتا ہے۔" یہ کہتے وقت رحیم خان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کریم خان جلدی سے بولا:

"آپ جب کبھی شہید گنج آئیں، ہمارے ہاں ہی آ کر ٹھہریں۔"

"اچھی بات ہے ـــ بہت بہت شکریہ۔"

پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر سٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ رحیم خان اور کریم خان جب تک ٹیکسی نظر آتی رہی، ہاتھ ہلاتے رہے، آخر ٹیکسی نے ایک موڑ کاٹا اور ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"ابا جان کیا سوچ رہے ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"میں رحیم خان کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔ کتنا عظیم انسان ہے وہ..... جس نے بیٹے کو گرفتار کرانے کے لیے سارے حالات خود مجھے بتائے۔ اگر وہ نہ بتاتا تو نہیں معلوم کتنے دن اور لگتے۔"

"اور میں یہ سوچ رہا ہوں ابا جان..... کہ ہوٹل کے کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں ہم نے آپ کے ساتھ نہایت گستاخی کی ہے۔ آپ پر حملے کیے ہیں ـــ اُف..... کتنی شرمندگی ہو رہی ہے۔" فاروق بولا۔

"بھئی، اس میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں۔ میں بوڑھے شیر علی کے میک اپ میں تھا..... اور پھر میں نے بھی تو تمہارے ہر حملے کا جواب دیا تھا ـــ میں نے کون سا تم لوگوں کا لحاظ کیا تھا۔ تم پر پستول تک تو تان لیا تھا۔ ویسے سچ کہتا ہوں، اس وقت ہنسی روکنا میرے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا ـــ اگر میری ہنسی نکل جاتی تو تم اسی وقت مجھے پہچان لیتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہی بھی کہوں، میری گڑیا اور کسی کو بے ہوش نہ کر سکے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں، اس وقت تم تینوں کے چہرے دیکھنے والے تھے۔"

"لیکن ابا جان، آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ فاروق کی جیب میں دو سیاہ گولیاں ہیں؟" اچانک محمود کو خیال آیا۔

اور انسپکٹر جمشید انہیں بتانے لگے کہ کیسے انہیں گولیوں کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲

ٹائر پھٹنے کی آواز دُور دُور تک پھیل گئی۔ ایک بوڑھا دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیا ہوا صاحب؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"بھائی اتنے زور سے ٹائر پھٹا ہے اور پھر بھی پوچھ رہے ہو کیا ہوا ـــ" خان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔ اب آپ لوگ کیا کریں گے؟" اس نے افسوس

بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا یہاں نزدیک کوئی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ ہم ایک رات ٹھہر کر چلے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں تو ایک گڈریا ہوں۔ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں رہتا ہوں، البتہ یہاں سے کچھ فاصلے پر جنگل میں ایک سائنس دان رہتا ہے۔ لوگ اسے خونی سائنسدان کہتے ہیں۔ اس کا مکان بہت بڑا ہے لیکن وہ خطرناک آدمی ہے۔ اس کی بیٹی اس سے بھی خطرناک ہے۔" گڈریے نے خوفزدہ انداز میں بتایا۔

"وہ کیسے؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"وہ ایسے کہ وہ زہریلی ہے۔ جسے کاٹ لیتی ہے، وہ اسی وقت مر جاتا ہے۔ جیسے لوگ سانپ کے کاٹنے سے مر جاتے ہیں۔"

"لڑکی نہ ہوئی، سانپ ہو گئی۔" محمود مسکرایا۔

"بتا دینا میرا فرض تھا۔ اب آپ جانیں..... آپ کا کام۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھا بھائی تمہارا بہت بہت شکریہ۔" خان رحمان بولے۔

"اگر آپ وہاں ٹھہریں تو رات کو سوئیں ہرگز نہ۔" گڈریے نے جاتے جاتے کہا۔

"اچھی بات ہے تم فکر نہ کرو۔" فرزانہ نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"اس سائنسدان سے ملنے کا تو شوق پیدا ہو گیا ہے۔" یہ وغیرہ وغیرہ بولے۔ گڈریا جا چکا تھا۔

"تو پھر چلتے ہیں۔ رات کے وقت گاڑی کا ٹائر تو بدلا نہیں جا سکے گا۔"

"ٹھیک ہے، تو پھر چلو۔" وہ گاڑی سے اتر آئے اور جنگل میں گھس کر اس سمت میں چلنے لگے جس طرف گڈریے نے اشارہ کیا تھا۔